جاسوسی دنیا

تابوت میں لاش

قریباً چالیس سال بعد جاسوسی دنیا کو دوبارہ زندہ کرنے کی کوشش

محمد جبران

ایم فل اسکالر



دھنک پبلیشر گروپ

تابوت میں لاش

(جاسوسی دنیا--- مکمل ناول)

محمد جبران

ایم فل اسکالر

آن لائن دھنک پبلشر گروپ

www.urdufanz.com

اس ناول کے تمام کردار، مقامات، واقعات فرضی ہیں
ان میں کسی قسم کی مطابقت محض فرضی ہوگی
جس پر مصنف اور پبلشر ذمہ دار نہیں ہوں گے۔

ناول کا نام: تابوت میں لاش

مصنف: محمد جبران

اشاعت: جنوری ۲۰۱۶ء

ناشر: دھنک پبلشر گروپ

ڈیزائنگ: ایم۔گل

پیش لفظ

میری دوسری کاوش اب کتابی شکل میں آپ کے سامنے ہے۔ایک نیا اور اچھوتا ناول جو محترم ابن صفی صاحب کے تخلیق کردہ شہرہ آفاق جاسوسی دنیا پر لکھا گیا ہے۔جاسوسی دنیا پر آج تک کسی مصنف نے ابن صفی صاحب کے بعد کوشش ہی نہیں کی ،ان کا آخری ناول قریباً چالیس سال قبل مارکیٹ میں آیا تھا اور اس کے بعد اب یہ آ رہا ہے۔ناول کے بارے میں لکھنے سے قبل میں اردو فینز کی انتظامیہ اور دھنک گروپ کا بے حد مشکور ہوں جنہوں نے ناول کی پوسٹنگ سے لیکر ناول کی اشاعت تک بھرپور تعاون کیا اور مجھے کسی بھی طرح یہ محسوس ہونے نہیں دیا کے میں ایک نیا لکھنے والا ہوں۔میرے گزشتہ ناول "علی عمران ہینگ ٹل ڈیتھ " کی طرح یہ ناول بھی اردو فینز پر قسط وار شائع ہوا اور ہر ایک نے اسے پسند کیا۔اسی لئے یہ اب بھرپور کامیابی کے بعد کتابی شکل میں آ رہا ہے۔میں سب سے پہلے اردو فینز پر اپنے استاد محترم س۔ن۔مخمور صاحب کا بے حد مشکور ہوں جنہوں نے ایک بار پھر ناول کی کامیابی پر اپنے سند یافتہ الفاظ ثبت کئے۔جو میرے جیسے ایک نئے رائٹر کے لئے کسی اعزاز سے کم نہیں ہے،اس کے بعد میں علی رضوی بھائی کا دل کی اتھاہ گہرائیوں سے شکریہ ادا کرتا ہوں جنہوں نے مجھے اپنے چھوٹے بھائی کی طرح ایک ایک بات سمجھائی اور میری ہر غلطی پر میری تصیح فرمائی۔بلاشبہ میں اپنے اللہ کا جتنا شکر کروں وہ کم جس نے مجھے اتنی عزت وتوقیر دی،وہی قادر مطلق ہے انسان تو

ناچیز ہے۔اس کے بعد میں خاص طور پر مہک گل سس کا نام لینا چاہوں گا جنہوں نے ہر بار مجھے بہت بے پناہ حوصلہ دیا۔چندنا گزیر وجوہات کی بنا پر میں نے ایک دو دفعہ لکھنا ترک بھی کیا مگرانہوں نے میری ہمت بندھائی۔جس کے لئے میں ان کا بے حد مشکور ہوں۔اس کے بعد میں اپنے ان چاہنے والوں کا نام ضرورلوں گا جنہوں نے میرے گزشتہ ناول کی طرح اس ناول میں بھی مجھے گرنے نہیں دیا۔ان میں شیخ کامران بھائی آکاش بھائی ،شوکی بھائی،انسپکٹر جمشید بھائی،اعجاز بھائی،دل کا چور بھائی اورابن ریاض بھائی کے نام قابل ذکر ہیں جو ہر قسط پر مجھے اپنی قیمتی آراء سے نوازتے رہے۔یہ سب دوست میری زندگی کا سرمایہ ہیں اورایک مصنف کا کل اثاثہ ہی اس کے قاری ہوتے ہیں اوران کے ساتھ ساتھ میں ان تمام خاموش قارئین کا بھی بہت مشکور ہوں جو ناول تو پڑھتے رہے پر کسی وجہ سے اپنی رائے نہ دے سکے۔

اس کے بعد میں ناول کے حوالے سے کچھ عرض کرتا چلوں کہ اس ناول کی خاص بات سیاہ نیولا ہے جس نے شروع سے لے کرآخرتک پوری کہانی کواپنے سحر میں جکڑا ہوا ہے۔کسی بھی ناول میں اس کا پلاٹ اس کی جان ہوتا ہے،اس کی مثال ایسے دی جاسکتی ہے کہ یہ انسانی جسم میں روح کی مانند ہوتی ہے۔روح کے بغیر جسم بے جان ہے بالکل ویسے ہی مضبوط پلاٹ کہانی کی جان ہوتا ہے اگر پلاٹ نہ ہوتو کہانی بے جان ہوجاتی ہے۔اس کے ساتھ ساتھ ناول میں ولن کا کردار بھی جتنا مضبوط ہوگا اسی طرح کہانی اتنی مضبوط ہوتی چلی جائے گی۔جیسا کہ آپ کو میرا گزشتہ ناول پڑھ کراندازہ ہوا۔میں یہاں یہ بات بھی واضح کرتا چلوں کہ بہت سے لوگ فریدی کوعمران سے موازنہ کرنے لگے ہیں۔جن کے لئے میں خاص طور پر کہنا چاہتا ہوں کہ ہر کردار کی اپنی نفسیات ہوتی ہے اوراگر وہ کرداراپنی

نفسیات سے ہٹ کر کام کرے تو ناول میں جھول پیدا ہونے کا امکان ہوتا ہے۔اس لئے میری اپنی قارئین سے گذارش ہے کہ برائے مہربانی دونوں کرداروں کو ان کے اصلی رنگ میں جانچے تا کہ مصنف کے لئے بھی آسانی ہو۔انشااللہ اگلی دفعہ ایک نئے ناول اور نئے کرداروں کے ساتھ حاضر ہونگا تب تک کے لئے اجازت۔

آپ سب کی دعاؤں کا طالب

محمد جبران (ایم فل اسکالر)

فہرست

خوش آمدید کرنل فریدی

ایک اور لاش، وہی تابوت، لاش کی وہی کریہہ حالت، وہی نامعلوم شاطر قاتل مگر اس بار تفتیش دنیا کے مشہور سراغ رساں کرنل فریدی کے ہاتھ میں۔ساگالینڈ کے جدید ترین ائیر پورٹ کے دوسرے فلور پر رن وے پہ کھڑے ایک مسافر طیارے کے اندر ایک تابوت کی اطلاع نے پورے ائیر پورٹ کے عملے اور دیگر مسافروں کو خوف میں مبتلا کر دیا تھا۔کوئی دیدہ دلیری سے طیارے کے بزنس کلاس میں پچھلی سیٹوں کے درمیان ایک لاش کو تابوت میں رکھ کر خود غائب ہو گیا تھا۔قاتل جو کوئی بھی تھا چالاک اور بہادر ہونے کے ساتھ ساتھ نفسیات کے علم پر بھی مکمل عبور رکھتا تھا۔

یہ اب تک کی تابوت میں پانچویں لاش تھی اور مقامی پولیس کا سربراہ مہان سنگھ جو کرنل فریدی کا بہترین دوست تھا، جس کے ذمے ساگالینڈ کے دارالحکومت مغل آباد کے امن وامان کی مکمل ذمہ داری تھی ، نے چوتھی لاش کے بعد ہاتھ کھڑے کر دیئے تھے اور کرنل فریدی سے مدد طلب کر لی تھی۔لاش کی حالت دیکھ کر ہی قے آنے لگ جاتی تھی۔لیکن اگر اسی طرح ہر پولیس والے کو قے آنے لگ جائے تو پھر پولیس کا سارا سسٹم ہی ٹھپ ہو جائے۔ہاتھ کھڑے کرنے کی بنیادی وجہ تمام لاشوں کا گمنام ہونا تھا۔کسی کے بارے میں تھوڑی سی بھی معلومات نہیں ملی تھیں کہ وہ لاشیں کن کی

ہیں اوراس پر مجرم کی دیدہ دلیری کہ وہ ہر لاش با قاعدہ تابوت میں سجا کر کسی نہ کسی پبلک ایریا میں رکھ کر چلا جاتا تھا۔ پولیس کے ریکارڈ میں پہلی چار لاشوں کا ریکارڈ موجود نہیں تھا۔اخبارات اور میڈیا میں با قاعدہ اشتہارات بھی چلائے گئے تھے مگر کسی نے بھی پولیس سے ان لاشوں کے حوالے سے رابطے نہیں کیے تھے۔ یا تو قاتل کا خوف تھا یا لاشیں اس قدر بگاڑ دی گئی تھیں کہ انکی شناخت میں دقت ہوتی تھی۔اشتہارات کے علاوہ خود میڈیا سنسنی پھیلانے میں پیش پیش تھا جس سے خود ہی تمام واقعات کی تشہیر ہو جاتی تھی۔

پہلی برہنہ لاش جس کے سارے جسم پر کلہاڑے سے کٹ لگا کر اسے تابوت میں سجا کر مقامی بچوں کے ہائی اسکول کے مین گیٹ پر رکھا گیا تھا۔قریب کے تھانے میں اطلاع دی گئی تو انسپکٹر نے آ کر لاش دیکھی۔ ابتدائی رسمی تفتیش کے بعد وہ کوئی خاطر خواہ نتیجہ اخذ نہ کر سکا کیونکہ کسی نے بھی تابوت کو لاتے ہوئے نہیں دیکھا تھا۔جس سے واقعے کی سنسنی میں اضافہ ہو گیا تھا۔ہسپتال سے پوسٹ مارٹم کروایا گیا تو پتہ چلا کہ وہ ایک چالیس پینتالیس سال کا مرد تھا جسے گزشتہ ہفتے بجلی کے جسمانی کرنٹ دیئے گئے۔بعد ازاں وہ زندہ تھا کہ جب مسلسل کلہاڑے کے کٹ نہایت سفاکی سے اس کے پورے جسم پر لگائے گئے۔اس کے بعد اسے گلا گھونٹ کر مار دیا گیا اور لاش ہفتے بعد مل رہی تھی۔ کیسا ظالم اور بھیڑیا صفت قاتل تھا۔

ابھی اس تابوت اور لاش کو دو دن نہیں گزرے تھے اور پولیس قاتل کا سراغ بھی نہیں لگا سکی تھی کہ دوسرا تابوت اور پھر اس میں موجود بھیانک لاش حیرت انگیز طور پر مغل آباد کے ایک اور علاقے کے مشہور روہت بینک میں ایک بڑے سے لاکر کے اندر سے برآمد ہوئی۔اتفاق سے کرائم رپورٹر انور

اور رشیدہ اپنا ایک مشترکہ بینک اکاؤنٹ کھلاوانے کے لئے روہت بینک میں موجود تھے۔ بینک کا منیجر اور انور دونوں کلاس فیلو تھے لہٰذا وہ اس اعتبار سے بہترین دوست تھے۔ اسی بینک منیجر کے بے حد اصرار پر انور رشیدہ کو اس دن بینک لے آیا تھا تاکہ مشترکہ بینک اکاؤنٹ کھلوا سکے۔ اکاونٹ کے علاوہ رشیدہ نے اپنا مہنگا سونے کا سیٹ بینک لاکر میں رکھوانا تھا۔ اس کے مطالبے پر اسے بینک منیجر نے ایک لاکر الاٹ کر دیا، اس کی چابی لیتے ہی وہ اٹھ کر بڑے لاکرز والی سائیڈ پر آ گئی۔ اس کا لاکر دوسو چوبیس تھا۔ یہاں بینک لاکرز عام سائز سے زیادہ چوڑے اور لمبے ہوتے تھے۔ چابی گھماتے ہی جوں ہی اس نے اپنے لاکر کھولا تو وہ ایک تابوت کو دیکھ کر چونک گئی۔ اپنے تجسس کو مٹانے کے لئے اس نے تابوت نیچے اتار لیا اور پھر جوں ہی اسے کھولا اسے کسی کی مکروہ برہنہ لاش نظر آئی۔ وہ کوئی معمولی عورت نہیں تھی کہ لاش دیکھ کر ڈر جاتی اور چیخ مار کر بے ہوش ہو جاتی۔ وہ بڑی نڈر اور بے خوف عورت تھی، تنہا ہی مجرموں کی ٹھکائی کرنے کی بھرپور صلاحیت رکھتی تھی۔ ایک وقت تھا جب وہ ایک پراسرار جزیرے کی ملکہ رہ چکی تھی اور انور کی خاطر وہ ملکہ کا عہدہ اور اپنا آبائی جزیرہ چھوڑ کر سا گالینڈ میں آ کر بس گئی تھی۔ اس نے تابوت اور لاش کی اطلاع بینک انتظامیہ اور انور کو دی۔ انور کرائم رپورٹر ہونے کے ساتھ ساتھ پرائیویٹ جاسوس بھی تھا۔ ایسے موقوں پر اکثر اسکی سراغ رسانی کی رگ پھڑک جاتی تھی اور وہ خود ہی تفتیش کرنا شروع کر دیتا تھا۔

سب لوگ دوڑتے ہوئے لاش کے پاس آئے ،انور مختلف زاویوں سے لاش کا معائنہ کرنے لگا۔ اسے دو دن قبل ہی اسی قسم کی لاش اور تابوت کی ایک چھوٹی سی خبر ایک چینل پر پٹی کی صورت میں ملی تھی۔ جس میں لاش کے حوالے سے چیدہ چیدہ باتیں لکھی تھیں مگر چونکے خبر چھوٹی تھی اس لئے میڈیا

نے اس کی زیادہ کوریج نہیں کی تھی ۔لاش میں سے شدید بدبو اٹھ رہی تھی اور لاش کو بالکل اسی طرح سے کلہاڑے سے کٹ لگا کرتابوت میں رکھا گیا تھا۔وہاں کسی عام آدمی کے لئے دو پل کھڑا رہنا بھی محال تھا۔سب لوگ منہ پر رومال اورٹشو پیپر رکھے لاش کو دیکھتے ہی بری بری شکلیں بناتے ہوئے اِدھراُدھر ہونے لگے۔مگراس معاملے میں بینک کا منیجر کافی مضبوط اعصاب کا مالک لگتا تھا۔وہ گہرے سبز رنگ کا رومال نکالے اسے اپنی ناک پر سجائے وہیں پر کھڑا رہا۔تابوت اوراس میں لاش کی موجود گی کئی سوالات کوجنم دیتی تھی اور چنداشارے بھی دیتی تھی کہ ضرور اس میں بینک کے اپنے ہی لوگ ملوث ہونگے۔اگر وہ نہیں تو اس میں بینک کے گارڈز ملوث ہوسکتے تھے۔کوئی نہ کوئی بینک کا اپنا بندہ ضرور قاتل کے ساتھ شامل تھا۔جب انور نے اس نکتے کو ذہن میں رکھ سب سے مختلف سوالات کیئے تواس کی توقع کے عین مطابق سب نے لاعلمی کا اظہار کیا۔

خیراس نے اپنی جیب سے موبائل فون نکالتے ہوئے لاش کی دوتین تصویریں اتار کرتابوت کا ڈھکن بند کردیا۔پھرتابوت کی مختلف زاویوں سے تصویریں نکالیں اوراس کے بعداس نے انہیں مقامی تھانے کے انسپکٹر اوراپنے چینل کوضروری معلومات کے ساتھ ایم ایم ایس کردیں۔بس یہی وہ دن تھاجب میڈیا نے یہ خبر اٹھا کر مغل آباد کے پولیس آئی جی مہان سنگھ کولتاڑنا شروع کردیا۔میڈیا کا موقف یہ تھا کہ شہری اپنے آپ کوشہر میں بڑھتے ہوئے اسٹریٹ کرائم کے آگے بے بس سمجھ رہے ہیں ،پولیس ہاتھ پر ہاتھ رکھے بیٹھی ہے اور قاتل دندناتے پھر رہے ہیں۔آئی جی پولیس اپنی ڈیوٹی دینے میں بری طرح سے ناکام رہے ہیں۔لہٰذاانہیں اپنے عہدے سے مستعفی ہوجانا چاہیے۔ان کی جگہ کسی اورکوآئی جی ہونا چاہیے جوآ کر پولیس کا پورا نظام دیکھے اورشہریوں کوجس بری طرح سے قتل کیا

جا رہا ہے اس کا کچھ نہ کچھ سد باب ضرور ہونا چاہیے۔ اگر اسی طرح ہی شہری مرتے رہے تو مغل آباد کا تو پھر اوپر والا ہی حافظ ہے۔

تیسری لاش مغل آباد کے مشہور و معروف جیک اینڈ جِل شاپنگ مال کی پانچویں منزل پر ایک دکاندار کو اس وقت ملی جب وہ اپنی دکان پر ایک شوکیس سے کپڑا ہٹا رہا تھا۔ اچانک ایک تابوت دھڑام سے نیچے گرا اور اس میں سے ایک گندی بدبودار اور برہنہ لاش نکل کر قالین پر ڈھیر ہوگئی۔ دکاندار تو اس کی تاب نہ لاتے ہوئے وہیں گر کر بے ہوش ہوگیا۔ آس پاس سے لوگ اور دکاندار اکھٹے ہو گئے۔ انہوں نے مقامی پولیس کو فون کیا پھر اس کے بعد بے ہوش دکاندار کو اٹھا کر اسے ہوش میں لانے کی کوشش کرنے لگے۔ کسی نے برہنہ لاش پر ایک کپڑا لا کر ڈال دیا۔ پولیس سے پہلے میڈیا والے آ گئے، کیونکہ یہ مشہور و معروف شاپنگ مال تھا اور یہاں پر ملک کی کئی اہم شخصیات آ کر شاپنگ کیا کرتی تھیں۔ میڈیا نے پھر آئی جی پولیس مہان سنگھ کی دھلائی شروع کر دی۔

مہان سنگھ کو مجبوراً دارلحکومت مغل آباد کے تمام سینئر پولیس آفیسرز کی ایک اہم میٹنگ کال کرنا پڑی اور اس میٹنگ میں پولیس کے محکمے کے حوالے سے کئی اہم فیصلے کیئے گئے اور قاتل کو پکڑنے کے لئے اس نے مغل آباد کے سب قابل آفیسرز کی ایک خصوصی ٹاسک فورس بنانے کا اعلان کیا جس کی سربراہی براہ راست خود اس نے اپنے ذمے لے لی۔

ابھی میٹنگ جاری تھی کہ میڈیا نے ایک اور تابوت اور اس میں ملنے والی ایک اور لاش کا واویلا مچا دیا۔ اس بار لاش ساگالینڈ کی سب سے بڑی ٹرین "ساگالینڈ ایکسپریس" کے بزنس کلاس میں پائی گئی جس میں ملک کے سب سے بڑے بیوروکریٹس، سیاست دان، بزنس مین اور دیگر اہم غیر ملکی

شخصیات سفر کرتی تھیں۔ٹرین کا واش روم جو انتہائی حیرت انگیز طور اندر سے بند تھا۔کئی گھنٹے گزر نے کے بعد بھی جب واش روم کا دروزاہ نہ کھلا تو ٹرین کے عملے کو تشویش ہوئی۔کئی دفعہ دروازے کو پیٹنے کے بعد بھی اندر سے کوئی جواب موصول نہ ہوا تو انہوں نے دروازے کو توڑ کر جب اندر قدم رکھا تو انہیں یہ جان کر انتہائی حیرت ہوئی کہ اندر وہی تابوت موجود تھا جو اس سے قبل تین وارداتوں میں استعمال ہو چکا تھا۔تابوت واش روم کی ایک دیوار سے لگا کر کھڑا کیا گیا تھا۔اس کے شیشے میں واضح طور پر کسی کی لاش نظر آ رہی تھی۔جب اسے اتار کر کھولا گیا تو ویسی ہی ایک برہنہ لاش جس کے جسم پر لاتعداد کٹ کے نشان تھے برآمد ہوئی۔

سب کو یہی حیرت تھی کہ ایک مردہ انسان نے خود کو کیسے واش روم کا دروازہ بند کر کے تابوت میں بند کرلیا۔ یہاں پر ایک ہی روشن دان تھا جس پر لوہے کی جالیاں لگی ہوئی تھیں اور اس کے علاوہ ایک ایگزاسٹ فین لگا ہوا تھا۔روشن دان میں سے ایک انسان گزر تو سکتا تھا مگر وہ لوہے کی مضبوط جالیوں سے بند تھا۔پھر آخر یہ تابوت اندر کیسے آیا۔اتنی دیر میں میڈیا والے وہاں پہنچ گئے اور مہان سنگھ کو پھر وہی لعن طعن شروع ہوگئی۔

مہان سنگھ میٹنگ درمیان میں چھوڑ کر موقعہء واردات پر پہنچ گیا۔اس نے اپنی نگرانی میں تابوت کی خوب اچھی طرح جانچ پڑتال کے بعد اسے پوسٹ مارٹم کے لئے بھجوادیا۔بعدازاں اس نے میڈیا کے سخت سوالوں کا سامنا نہایت خندہ پیشانی سے کیا اور پھر اس نے میڈیا کے توسط سے صدر صاحب سے اپیل کی کہ وہ یہ کیس کرنل فریدی کو دے دیں۔کیونکہ شہریوں کے تحفظ میں فی الحال وہ اور ان کا ادارہ ناکام رہا ہے۔یہ واقعات اپنی نوعیت کے اعتبار سے انتہائی سنگین تھے۔

اسی شام اس نے کرنل فریدی کو خود ہی فون کر دیا اور کیس لینے کی باقاعدہ درخواست کر دی۔ درخواست اس لیے کہ اس ملک میں طاقت ور ترین اشخاص میں صدر صاحب کے بعد کرنل فریدی کا نمبر آتا تھا اور بعض کا تو یہ بھی خیال تھا کہ وہ صدر صاحب سے بھی زیادہ پاورفل ہیں۔ کیس لینے کے لئے صرف اسے صدر صاحب ہی کہہ سکتے تھے اور اگر کرنل فریدی چاہتا تو وہ صدر صاحب کی درخواست بھی مسترد کرتا تو اس سے کوئی پوچھنے والا نہیں تھا کہ اس نے انکار کیوں کیا۔ یہاں کا میڈیا بھی کرنل فریدی کی بہت عزت کرتا تھا۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ کرنل فریدی نے ساگالینڈ کے لئے اتنی خدمات دی تھیں کہ اس ملک کے لوگ اسے دیوتا کا درجہ دیتے تھے۔ اس کے ایک اشارے پر پورے ملک کی حکومتی مشینری حرکت میں آجاتی تھی۔ اس کے علاوہ کرنل فریدی اور کیپٹن حمید کو بے تحاشہ سرکاری اعزازت سے نوازا گیا تھا۔ درجنوں فوجی اعزازت اور میڈلز بھی اس کے پاس تھے۔ کئی دفعہ اسے خصوصی گارڈ آف آنر بھی دیا جا چکا تھا۔

مہان سنگھ کی کال پر تو اس نے اسے کہا کہ وہ سوچ کر بتائے گا مگر پھر کچھ دیر بعد ہاٹ لائن پر صدر صاحب کی کال کے بعد اسے وہ کیس لینے کی حامی بھرنی پڑی۔ فریدی ان دنوں اپنی کوٹھی پر پرائیویٹ طور پر بلیک فورس کے پورے سیٹ اپ کے ساتھ رہتا تھا۔ چونکہ پولیس کے لئے کام چھوڑے اسے کافی عرصہ گزر گیا تھا البتہ وہ حکومت کے کہنے پر کبھی کبھی کام کر دیا کرتا تھا۔

یہ کیس بھی اپنی نوعیت کے اعتبار سے کافی سنسنی خیز ثابت ہو رہا تھا اور اب کرنل فریدی کو اپنی صلاحیتیں آزمانے کا پورا موقع مل رہا تھا تو اس نے کیس لینے کی حامی بھر لی۔ کرنل فریدی نے صدر صاحب کی کال کے بعد آئی جی پولیس مہان سنگھ کو کال کر کے کیس کی تمام تفصیلات طلب کر لیں۔ میڈیا پر اس

نے اس کیس کی بنیادی باتیں تو سن لی تھیں جس سے اسے کیس کی نوعیت کا کافی حد تک اندازہ ہو چکا تھا۔

فریدی کی یہ حرکت حمید کو بہت بری لگی تھی۔

" ہم اچھے بھلے پرسکون بیٹھے تھے کہ آپ نے یہ نئی مصیبت گلے لگا لی۔اب کیس حل نہ ہوا تو ساری مہان سنگھ کے حصے کی گالیاں ہمارے کھاتے میں پڑیں گی۔" حمید نے منہ بناتے ہوئے کہا۔اس کے اس تبصرے پر فریدی محض مسکرا کر خاموش ہو گیا۔

اگلے دن ایک اور تابوت ملنے کی اطلاع کرنل فریدی کو ملی تو وہ حمید کو لیکر جائے واردات پر پہنچ گیا۔آج موسم بہت روٹھا ہوا تھا اور صبح منہ اندھیرے ہی اس نے اپنے غصے کا بھرپور اظہار کیا تھا۔شدید بارش میں اولے بھی پڑے تھے۔اب بارش ختم ہوگئی تھی مگر آسمان پر بادل تا حال موجود تھے۔

ایک اور لاش، ویسا ہی تابوت، لاش کی وہی کریہہ حالت، وہی نامعلوم شاطر قاتل مگر اس بار تفتیش دنیا کے مشہور سراغرساں کرنل فریدی کے ہاتھ میں۔سا گالینڈ کے جدید ترین ائیر پورٹ کے دوسرے فلور کے رن وے پہ کھڑے ایک مسافر طیارے کے اندر ایک تابوت کی اطلاع نے پورے ائیر پورٹ کے عملے اور دیگر مسافروں کو خوف میں مبتلا کر دیا تھا۔کوئی دیدہ دلیری سے طیارے کے بزنس کلاس میں پچھلی سیٹوں کے درمیان ایک لاش کو تابوت میں رکھ کر خود غائب ہو گیا تھا۔قاتل جو کوئی بھی تھا چالاک اور بہادر ہونے کے ساتھ ساتھ نفسیات کے علم پر بھی مکمل عبور رکھتا تھا۔

یہ ایکریمیا سے آنے والی ایک انٹرنیشنل فلائٹ تھی جس میں ایک غیر ملکی کو نہایت سفاکی سے قتل کر کے اس کی لاش اسی طرح تابوت میں بند کر کے رکھی گئی تھی۔ائیر پورٹ پر کرنل فریدی کی آمد پر فوج طلب

کر کے اسکیورٹی ہائی الرٹ کر دی گئی تھی۔ ائیر پورٹ کا پورا عملہ کرنل فریدی کے آگے پیچھے دوڑ رہا تھا۔ وہ جہاں سے گزرتا تھا تمام گارڈز ایک ساتھ اپنے بھاری بوٹوں سے اسے سلیوٹ کرتے تھے۔ کرنل فریدی نہایت پروقار انداز میں ان کو سر کی ہلکی سی جنبش دے کر جواب دے رہا تھا۔ وہ اس وقت گرے رنگ کے ایک بہترین تھری پیس سوٹ میں ملبوس تھا اور نہایت ہی دلکش لگ رہا تھا۔

کرنل فریدی کی مشاق آنکھیں بہت گہری نظروں سے پورے ائیر پورٹ کا جائزہ لے رہی تھیں۔ اس کے بارے میں مشہور تھا کہ وہ موقع واردات دیکھ کر قاتل کی پوری جنم کنڈلی نکال لیتا تھا۔ خیر طیارے پر پہنچنے کے بعد اس نے سفید رنگ کے دستانے نکال کر پہن لئے۔ حمید نے بھی اسکی پیروی کی۔ تابوت کا کور ہٹا کر اس نے لاش کا جائزہ لینا شروع کر دیا۔ وہ ایک پچاس سال کا نامعلوم ایکریمی تھا۔ اس نے لاش کو پلٹ کر دیکھا تو اسے ایک کاغذ کا پرزہ مل گیا جس پر ایک سیاہ نیولا بنا ہوا تھا اور اس پر ایک تحریر لکھی ہوئی تھی۔

"خوش آمدید کرنل فریدی۔۔۔۔ اس خونی کھیل کو روک سکو تو روک لو۔۔۔۔" یہ تحریر کمپیوٹر کی مدد سے ٹائپ کی گئی تھی لہٰذا اس سے تو کوئی سراغ ملنا مشکل تھا مگر اسے پڑھتے ہی کرنل فریدی کی آنکھوں میں تیز چمک ابھر آئی۔ اس نے پلٹ کر اسے غور سے ایک بار دیکھا اور پھر حمید کو پڑھوانے کے بعد انتہائی تحمل سے اسے جیب میں رکھ لیا۔ اس نے لاش کو دیکھنے کے بعد بلیک فورس کے دو نقاب پوشوں کو بلا کر وہاں سے لاش اُٹھوالی۔ اس کے بعد میڈیا کے نمائندوں نے اسے اور کیپٹن حمید کو گھیر لیا۔

"سر آپ کے خیال میں ان لاشوں کے پیچھے کون سا سیریل کلر ہے؟ اور کیا آپ اور آپ کی بلیک فورس اسے پردے کے پیچھے سے نکال پائیں گے؟"

"دیکھیں مجھے یہ کیس ابھی کل ہی باضابطہ طور پر ملا ہے۔ مجھے اپنے خدا پر پورا بھروسہ ہے کہ انشااللہ جلد ہی قاتل بے نقاب ہوگا۔"

"سر تو پھر آپ ہمیں اس وقت کون سی بریکنگ نیوز دے رہے ہیں۔۔۔"

"اب تک کی سب سے بڑی بریکنگ نیوز یہ ہے کہ کیس اب کرنل فریدی کے ہاتھ میں آ گیا ہے۔۔۔" کرنل فریدی نے مسکراتے ہوئے کہا اور جیب سے سیاہ چشمہ نکال کر آنکھوں پر لگاتے ہوئے وہاں سے تیز تیز قدم اٹھاتا ہوا نہایت ہی پروقار انداز میں چلا گیا۔ کیونکہ واقعی یہی سب سے بڑی بریکنگ نیوز تھی، کرنل فریدی کا تو نام ہی کافی تھا۔



قاتل کا پیغام

ڈان ہوٹل مغل آباد کا سب سے مشہور اور مہنگا ہوٹل تھا۔جس کے ڈائننگ ہال میں انور اور رشیدہ بیٹھے کافی سے دل بہلا رہے تھے۔رات کے آٹھ کا عمل تھا مگر ابھی ہوٹل اپنے پورے جوبن پر نہیں آیا تھا۔وہ دونوں سب سے بے نیاز اسی سیریل کلر کے بارے میں بیٹھے گفتگو کر رہے تھے۔دونوں کا رشتہ عجیب تھا یعنی کبھی پیار ہو جاتا اور کبھی ایک دوسرے سے شدید نفرت۔وہ اکثر لڑتے جھگڑتے ہی رہتے تھے،لیکن تھے ایک دوسرے کے بہترین ساتھی۔کبھی انہوں نے اس سے زیادہ سوچا ہی نہیں تھا۔

"تمہاری رائے میں قاتل کون ہوسکتا ہے اور یہ ایسا کیوں کر رہا ہے۔"

"سچ پوچھو رشیدہ تو میں نے اس بارے میں ابھی زیادہ سوچا نہیں۔قاتل انتہائی مکار ہے اپنے پیچھے کوئی سراغ نہیں چھوڑ رہا۔۔۔۔"

"فریدی صاحب کے آنے سے تم کیا سمجھتے ہو کیس میں کوئی پیش رفت ہوگی۔"

"فریدی صاحب کا تو میں پہلے سے ہی بہت بڑا فین ہوں،زندگی میں مجھے ان سے زیادہ کسی نے اتنا متاثر نہیں کیا۔کیس میں بالکل جان پڑنی چاہیے۔فریدی صاحب کا تو نام ہی کافی ہے۔"

" کیاتم ان کے ساتھ مل کر کام نہیں کرو گے۔"

"میری خواہش ہے کہ ایسا ہو جائے مگر تم جانتی ہو خواہشات کے سہارے زندگی نہیں گذرا کرتی۔لیکن ان کی شخصیت میں اتنا سحر ہے کہ میری ہمت ہی نہیں پڑتی کہ ان کے سامنے جا کر اپنی خدمات پیش کروں۔ہاں اگر خود بلا لیں گے تو زیادہ مناسب ہے۔"

"تم نرے نکمے ہو کسی کام کے نہ کاج کے،موبائل کے دور میں تو مزید فارغ ہو گئے ہو۔بس ایم ایم ایس کیا اور خبر چینل والوں کو پہنچ گئی،تمہارا کام ختم۔۔۔"

"تو تم کیا چاہتی ہو،گھوڑے پہ بیٹھ کر پورے شہر کو فتح کر لوں؟تم نے کونسا اپنے فلیٹ میں پودے اُگائے ہوئے ہیں جو صبح شام ان کو پانی دیتی ہو۔تم بھی تو بیٹھ کر سارادن ٹانگ پر ٹانگ رکھے مونگ پھلیاں یا پاپ کارن کھاتی رہتی ہو۔نکما میں ہوا کے تم؟"

"ٹانگ پر ٹانگ رکھ کر بیٹھنا بھی بڑی ہمت والا کام ہے جانتے ہو کیسے؟اس سے ٹی وی پر ڈرامے دیکھنے سے لطف دوبالا ہو جاتا ہے"

"تو کیا میرے ایم ایم ایس کرنے سے لطف دوبالا نہیں ہوتا؟تم عورتوں کی یہی خامی ہے مردوں کے ہر کام میں کیڑے نظر آتے ہیں۔خود تو جیسے نیوٹن کی طرح کائنات کے اوپر غور وفکر کر رہی ہوتی ہیں کہ اگر یہ عمل ہوا تو اس کے پیچھے کون سا سائنس کا قانون لاگو ہوگا۔شکر ہے دنیا میں اب تک مرد سائنس دان عورتوں کے مقابلے میں زیادہ ہیں عورتوں کی عجیب وغریب منطق تو پلے ہی نہیں پڑتی۔"

"تو مردوں نے اب تک کون سا تیر چلا لیا؟ کائنات کو مزید پیچیدہ کر کے رکھ دیا ہے۔سائنس جتنی ترقی کرتی جارہی ہے اتنی ہی پیچیدہ ہوتی جارہی ہے۔سمجھ میں تم لوگوں کے کوئی بات آتی نہیں اس لئے

کیمسٹری اور فزکس کے اتنے مشکل فارمولے بنا لیے کہ شریف اور معصوم عورتوں کی سمجھ میں بھی نہیں آتے ۔اس لئے عورتیں کم ہی سائنسدان بنتی ہیں ۔تا کہ تم لوگ تنہا ہی نپٹو اور پاگل ہوتے رہو۔ مجھے آج تک اپنی لائف میں کوئی ایسا سائنس کا پروفیسر نہیں ملا جو تھوڑا کھسکا ہوا نہ ہو۔"

"تم لوگوں کو تو ملنا ہی نہیں ،کبھی علم والوں کی صحبت میں بیٹھو تو کوئی حکمت کی بات پتہ چلے۔سارا دن سوائے ڈرامے دیکھنے کے تم لوگ اور کیا ملک وقوم کی خدمت کرتی ہو؟تم نے عورتوں کو معصومیت کا سٹرفکیٹ دے کر خود کو بری کر لیا۔اس پر میں شدید احتجاج کرتا ہوں بھلا یہ بھی کوئی سند ہے دینے کو۔"

"تمہارا احتجاج کہیں پر بھی ریکارڈ نہیں ہوا اور جہاں تک بات ہے معصومیت کی سند دینے کی تو تم نے ٹھیک کہا میں سند واپس لے لیتی ہوں ۔اس کے بدلے میں سیانے ہونے کی دے دیتی ہوں کیونکہ کب سے تمہیں الو بنا کے تمہاری ہر دلیل کو کس خوب صورتی سے اُڑا رہی ہوں ۔"

"الو اور تم نے ،اچھا مذاق کر لیتی ہو۔شکر کرو تمہاری ہر بات کا جواب دے رہا ہوں اور یہ سند دینے والی جعلی فیکٹری کہاں کھلی ہوئی ہے جس میں سے اسناد کی بوریاں نکل رہی ہیں؟۔۔۔"

"اچھا فضول باتیں چھوڑو اپنے اصل مسئلے پر آؤ،تمہیں کیا لگتا ہے ٹرین کے بند واش روم میں سے تابوت اندر کیسے پہنچا ہوگا؟ حالانکہ بظاہر اندر جانے اور آنے کا واحد راستہ واش روم کا دروازہ ہے"

" صحیح کہتی ہو،میڈیا والوں نے اندر سے بھی دکھایا تھا۔بظاہر تو ایک ہی راستہ ہے۔یہ قاتل مجھے کوئی مافوق الفطرت چیز لگتا ہے۔یہ والی واردات بالکل منطق میں نہیں بیٹھ رہی ،وہ لکڑی کا بنا ہوا ایک ٹھوس تابوت تھا کوئی کاغذ ریت یا تنکا نہیں جو کسی نے اسے دروازے کے نیچے سے سرکا دیا تو وہ اندر چلا گیا۔"

"میرے خیال میں کوئی ایسا نکتہ ہے جو ہم سے چوک رہا ہے، اس جدید ترین دور میں بھوت پریت پر یقین کرنا احمق ہونے کے مترادف ہے۔سائنس ان چیزوں کو نہیں مانتی، مجرم نے جو بھی کیا ہوگا لازماً منطق اور دلیل کی بنیاد پر کیا ہوگا۔لیکن ایسا کیا ہے جو ہم لوگ مس کر رہے ہیں۔"

"ہوں اب پہلی واردات کو ہی لے لو، مجرم نے کس طرح دیدہ دلیری سے سرعام دن دیہاڑے تابوت ایک ہائی اسکول کے سامنے رکھ دیا اور کسی کی نظر بھی نہیں پڑی۔ وہی تمہاری والی بات اس میں بھی کوئی ایسا منطقی نکتہ ہے جو ہم سے چوک رہا ہے۔"

"ہاں ٹھیک کہا اور وہ تابوت جو ہمارے سامنے میرے بینک لاکر سے ملا، کیا یہ محض اتفاق تھا کہ قاتل نے وہی لاکر چنا جو مجھے الاٹ ہوا تھا یا پھر یہ ایک سوچی سمجھی اسکیم کے تحت ہوا۔ ہر بار قاتل ہم سے دو قدم آگے ہوتا ہے۔ بہت چالاک ہے اور نفسیاتی کھیل کھیلنا خوب جانتا ہے۔مگر اس کھیل میں اسے ہمیں شامل کرنے سے کیا فائدہ ہوا؟ یا ایسا کرنے سے اس کا کونسا مفاد ہو سکتا تھا؟"

"میرے خیال میں تمہارے بینک لاکر کا چناؤ خوب سوچ سمجھ کر کیا گیا کیونکہ اس میں واقعی اس کا فائدہ چھپا ہوا تھا۔"

"اور وہ کیا تھا؟"

"وہ فائدہ بالکل واضح تھا، اس نے ہم دنوں کو استعمال کیا۔ میں اسے کبھی نہیں چھوڑوں گا۔ایک بار ہاتھ لگ جائے بلکہ میرے ہاتھ وہ کیا لگے گا میں خود اس کے پیچھے جاؤں گا۔" انور کی آنکھیں ایک دم انگارے اگلنے لگیں۔اس کی وہی پرانی بدلا لینے والی آگ پھر سے جاگ اُٹھی تھی اور وہ اپنی اس عادت سے مجبور تھا۔ بدلے کی آگ میں بہہ کر وہ کئی دفعہ درندہ بن جاتا تھا۔ وہ اٹھا اور تیز تیز چلتا ہوا

ہوٹل سے باہر چلا گیا۔ جبکہ رشیدہ بل دے کر اس کے پیچھے لپکی۔



"آپ کو کیا لگ رہا ہے کہ اب آپ میڈیا پر آنے کے بعد ہیرو بن گئے ہیں؟ آپ کے ان نفسیاتی حملوں کا کچھ اثر نہیں ہونے والا۔ قاتل آپ سے دو ہاتھ آگے ہے۔" حمید نے فریدی پر طنز کرتے ہوئے کہا۔ وہ دنوں اس وقت بیٹھ کر شطرنج کھیل رہے تھے۔ فریدی نے مسکراتے ہوئے اپنی گھوڑی حمید کے گھر میں داخل کی، البتہ وہ اس دوران خاموش رہا۔

"آپ کی خاموشی اُس پراسرار قاتل سے زیادہ پراسرار ہے، میرے تو اب تجسس میں اضافہ ہو رہا ہے۔ آپ کیا سمجھتے ہیں میڈیا کے سامنے دو چار فلمی مکالمے بولنے سے آپ ٹام کروز بن جائیں گے۔ بھول ہے آپ کی۔۔۔" حمید فریدی کی خاموشی پر جھلایا ہوا تھا۔ پھر اس نے اپنے گھر میں پیادے کے دو خانے چل دیئے۔ فریدی بدستور مسکرا رہا تھا۔

"آپ کی یہ شطرنج کی چالیں اور آپکی یہ خاموشی مجھے بری طرح سے کاٹ رہی ہے۔ چکر کیا ہے آخر آپ اتنے مطمئن کیوں ہیں۔؟"

"حیرت ہے تم مجھے بار بار کاٹ رہے ہو یا میں تمہیں کاٹ رہا ہے؟" فریدی نے آخرکار خاموشی توڑی۔

"آپ کی خاموشی زیادہ کاٹ دار ہے، نجانے آپکی کھوپڑی میں اس وقت کیا چل رہا ہے؟"

"صبر کرو پیارے اتنی جلدی بھی کیا ہے۔" فریدی نے مسکراتے ہوئے اپنے وزیر کی چال چلی۔

"اور کتنا صبر کروں؟ آپ ہیں کہ خاموشی سے ہاتھ پر ہاتھ رکھے بیٹھے ہیں۔ کچھ کر بھی نہیں رہے اور الٹا

مجھے صبر کی تلقین کیئے جا رہے ہیں۔آخر اور کتنا صبر؟ میرا دل کرتا ہے گارڈن میں جا کر اپنے کتوں سے کٹوا لوں۔"

"نیکی اور پوچھ پوچھ، اچھے کام میں دیر نہیں کرنی چاہیے۔"

"مطلب آپ نے قسم کھائی ہے کہ آپ مجھے کچھ نہیں بتائیں گے کہ آپ کے دماغ میں کیا چل رہا ہے۔"

حمید نے اپنے حصے کی چال چلی اور گھورتے ہوئے فریدی کو دیکھنے لگا۔فریدی نے مسکراتے ہوئے اپنی گھوڑی اور آگے چلی اور کہا:

"شاہ۔۔۔۔اور یہ مات تمہارا بادشاہ اب کہیں بھی خانہ نہیں چل سکتا۔۔۔"حمید نے حیرت سے دیکھتے ہوئے گہرا سانس لیا اور پھر گویا ہوا۔

"میں جب سے آپ کے ساتھ کھیل رہا ہوں، مجال ہے آپ کو کبھی مجھ پر ترس آیا ہو۔میں اب تک ایک بھی کھیل آپ کے مقابلے میں نہیں جیت پایا۔مطلب حد ہے مجھے احتجاجاً اب آپ کے ساتھ شطرنج کھیلنا بند کرنا پڑے گی اور جہاں تک میری یاداشت کام کرتی ہے آج تک میں نے آپ کو اپنی زندگی میں کبھی ہارتے نہیں دیکھا۔"

"مطلب تم یہ ظاہر کرنا چاہ رہے ہو کہ تم اب بھی جوان ہو؟"

"کیا مطلب ہے آپ کا، ابھی میری عمر ہی کتنی ہوئی ہے؟ یہی کوئی آپ سے بیس پچیس سال چھوٹا ہونگا۔"

"ہاں ہاں ابھی تو تمہاری عمر ہی کیا ہوئی ہے، بس کہیں کہیں بالوں کو رنگ لیتے ہو ورنہ تو تم سچ میں ٹام

اینڈ جیری میں ٹام کا کردار بخوبی نبھا سکتے ہو۔"

"آپ سے کسی چیز میں جیتنا ناممکن ہے، میری توبہ ہے، میری سات نسلوں کی توبہ ہے بلکہ میرے فرشتوں کی بھی توبہ ہے۔" حمید نے اپنے ہاتھ بار بار کانوں سے لگاتے ہوئے باقاعدہ توبہ کرنا شروع کردی۔ اس کے بعد اس نے شطرنج سمیٹ کر بند کی اور الماری میں رکھی ہی تھی کہ اچانک فریدی کے سیل فون پر کال آنے لگی۔ فریدی نے کال رسیو کرتے ہوئے کہا۔

"ہارڈ سٹون۔۔۔۔"

"بی ٹو سر۔۔۔"

"یس۔۔۔"

"سر دس ہیرے مل گئے، لیکن یہ فیصلہ کرنا مشکل ہو رہا ہے کہ کونسا اصلی ہے اور کون سے نقلی۔"

"سب کو اٹھا لو اور ہیروں کے ڈاکٹر سے چیک کرواؤ، پتہ کرو کہ کون سا اصلی ہے۔"

"یس سر۔۔۔"

"اس کے علاوہ پھیل جاؤ پوری زمین میں اور اناج تلاش کرو۔۔ گڈ بائے۔" فریدی نے کہا اور اس کے بعد اس نے کال کاٹ دی۔ لاؤڈر کا بٹن آن تھا اس لئے تمام گفتگو حمید نے بھی سن لی۔ وہ اپنی کھوپڑی سہلاتے ہوئے حیرت سے یہ سب کچھ سن رہا تھا۔ چکر لاشوں کا تھا لیکن یہ درمیان میں کوئی الگ ہی قصہ شروع ہو گیا تھا۔

"آپ کو سمجھنا میری دانش سے باہر ہے، میرے خیال میں ہمارے پاس گمنام لاشوں کا کیس ہے۔ وہ مسئلہ ابھی حل نہیں ہوا پھر یہ آپ نے درمیان میں کون سا بکھیڑا شروع کر دیا۔"

"دھیرج رکھو پیارے، سب کچھ اپنے وقت پر اچھا لگتا ہے۔تمہیں کتنی دفعہ سمجھایا بلکہ کتنی دفعہ تمہیں اس کی باقاعدہ مشقیں کروائیں کہ صبر کیسے کیا جائے۔جلد بازی سارے کام کو بگاڑ دیتی ہے، قدرت کو بھی جلد بازی والا کام پسند نہیں۔وہی کام ہمیشہ دیرپا ہوتا ہے جو تحمل سے کیا جائے اور اس کے صحیح وقت کا انتظار کیا جائے۔تمہاری اسی جذباتی طبیعت کی وجہ سے تم اکثر اپنا نقصان کروا بیٹھتے ہو۔"

"اچھا آپ یہ بتائیں کہ قاتل ایک ہے یا اس سے زیادہ، میرے خیال میں ایک سے زیادہ قاتل ہیں، ممکن ہے کوئی گروہ ہو۔کیونکہ اس قدر کامیاب پلاننگ کے بعد اس پر عمل کرنے کے لئے کسی کو بھی زیادہ بندوں کی ضرورت ہوگی۔"

"قاتل ایک ہی ہے۔۔۔"

"ائیرپورٹ پر جس ایکریمی کی لاش ملی وہ کون تھا؟"

"تمہیں اس کا جواب وقت آنے پر ملے گا۔۔۔"

"کیوں وقت کے پہیوں میں ایسی کیا خاص بات ہے جن کے گھومنے سے مجھے ہر سوال کا جواب مل جائے گا۔ویسے آپ ہیروں کے سوداگر کب سے بن گئے؟ وہ آپ کی فیلڈ تو نہیں تھی۔" حمید نے فریدی کو تیز نظروں سے گھورتے ہوئے کہا تو فریدی ہلکا سا مسکرا دیا مگر خاموش رہا۔اس کی خاموشی میں نجانے کتنے ہنگامے چھپے ہوئے تھے۔فریدی اس وقت بہت پراسرار لگ رہا تھا اور اس کا یہی رویہ حمید کو بری طرح سے متجسس کئے ہوئے تھا۔اب اس کی دلچسپی اس کیس میں کہیں زیادہ بڑھ گئی تھی۔اس کے سینے میں بہت سے سوالات مچل رہے تھے اور وہ ان کے جوابات جاننے کے لئے بہت بے چین ہو رہا تھا۔قاتل نے پہلے تھوڑا تجسس پھیلایا ہوا تھا جواب فریدی بھی اس کے جذبات سے

کھیل رہا تھا۔ ہر واردات پہلے سے زیادہ شدید نوعیت کی تھی، قاتل شہر میں کھلا پھر رہا تھا اور فریدی نے حمید سے شطرنج کھیلنے کی فرمائش کر دی تھی۔ فریدی کے مزاج کو سمجھنا واقعی بہت مشکل تھا۔ وہ ایک ایسی پہیلی تھی کہ جس کے جس پہلو کو جتنا کریدلو انسان اتنا ہی الجھتا چلا جاتا تھا۔ فریدی کے مزاج میں یہ تبدیلی وقت کے ساتھ آئی تھی۔ وہ اوپر سے بظاہر جتنا پرسکون اور نارمل نظر آتا تھا اندر سے اتنا ہی گہرا اور تہہ در تہہ نقابوں میں چھپا ہوا تھا۔

"دیکھو حمید میں نہیں چاہتا کہ تم وقت سے پہلے ڈگمگا جاؤ، میں کسی بہت بڑے طوفان کو آتے ہوئے دیکھ رہا ہوں۔ مجھے اس بات کا شدید خدشہ ہے کہ کہیں اس طوفان کی تباہی سے پورا سا گالینڈ نہ متاثر ہو جائے۔ بلکہ مجھے تو اس کا دائرہ کار اور وسیع ہوتا ہوا لگ رہا ہے۔ مجھے تم پر پورا بھروسہ ہے کہ تم ثابت قدم رہو گے۔ حالات کا دھارا بہت بے رحم ہونے جا رہا ہے۔ قاتل اپنی نفرت اور جنون میں بہہ کر ہر حد پار کر سکتا ہے۔ اس لئے تم اپنے اعصاب پر مکمل قابو رکھنا، اپنے صبر کے دامن کو کسی طور ہاتھ سے چھوٹنے نہ دینا۔ یاد رکھو برائی جتنی بھی مضبوط اور طاقت ور کیوں نہ ہو آخری فتح ہمیشہ سچائی کی ہوتی ہے۔۔۔" فریدی نے انتہائی پراسرار لہجے میں حمید کو سمجھاتے ہوئے کہا۔

"آپ نے مجھے ہر مشکل میں ثابت قدم پایا ہے، آئندہ بھی ایسے ہی ہوگا۔ بس اتنا بتا دیں یہ ہیروں والا قصہ اور لاشوں والا کیس دونوں الگ الگ ہیں یا ایک ہی؟" ابھی فریدی اس کی بات کا جواب دینے ہی والا تھا کہ ایک ملازم نے آ کر ایک سفید لفافہ حمید کو پکڑا یا۔ حمید اسے الٹ پلٹ کر دیکھنے لگا۔ اس پر کوئی تصویر یا تحریر موجود نہیں تھی۔ وہ چاروں طرف سے بند تھا۔

"اب یہ نئی مصیبت کون سی آ گئی، پہلی سے جان چھوٹی نہیں اور اب یہ" حمید نے منہ بناتے ہوئے

کہااور لفافہ فریدی کو تھما دیا۔فریدی کی آنکھوں میں ایک پل کے لئے تیز چمک آئی اور پھر غائب ہوگئی۔اس نے لفافہ ایک سائیڈ سے پھاڑااور اس میں سے ایک چھوٹی سی ڈی وی ڈی نکال لی۔جو ایک کور میں بند تھی،اس کو دیکھتے ہی حمید اپنی کھوپڑی سہلاتے ہوئے غور سے دیکھنے لگا پھر اس نے آگے بڑھ کر ایک سائیڈ ٹیبل سے لیپ ٹاپ اُٹھا کر فریدی کو پکڑا دیا۔فریدی نے لیپ ٹاپ کھول کر ایک دو بٹن دبائے تو وہ روشن ہو گیا پھر اس نے لیپ ٹاپ کے سائیڈ سے ایک بٹن دبایا تو ایک خالی سلیٹ باہر نکل آئی اس نے ڈی وی ڈی اسکے اوپر احتیاط سے سجائی اور پھر اسے اندر دھکیل دیا۔

فریدی اور وہ اس وقت اپنی کوٹھی کے سٹنگ روم میں موجود تھے۔فریدی صوفے پر بیٹھا تھا جبکہ حمید اس کے سامنے کھڑا تھا۔ان کے درمیان ایک میز حائل تھی۔جونہی فریدی نے ڈی وی ڈی لیپ ٹاپ میں ڈالی،حمید گھوم کر اس کے پیچھے آ گیا اور صوفے پر اپنے ہاتھ رکھ کر غور سے ڈی وی ڈی کے پلے ہونے کا انتظار کرنے لگا۔

حیرت انگیز طور پر ڈی وی ڈی اندر ڈالتے ہی خود ہی پلے ہوگئی،حالانکہ جب تک مطلوبہ فولڈر کے اندر جا کر فائل پر کلک کر کے اسے کھولا نہ جائے تب تک کوئی بھی فائل خود بخود اوپن نہیں ہوتی۔

سب سے پہلے اسکرین پر ایک بڑا سا نیولا جھومتا ہوا نظر آیا پھر اس کے بعد وہ منظر غائب ہوا تو اس کی جگہ ایک پراسرار وجود نے لے لی۔منظر میں کسی آدمی کا عکس نظر آ رہا تھا لیکن اس کی شکل بالکل اندھیرے میں تھی اور ایک پرچھائی نظر آ رہی تھی اس میں کوئی آدمی فلیٹ ہیٹ پہنے بیٹھا تھا پھر کچھ دیر میں اس نے بولنا شروع کر دیا۔

"مسٹر فریدی! کیسا لگا تمہیں میرا یہ کھیل؟ابھی تو کچھ بھی نہیں ہے یہ دو چار لاشیں تو صرف ٹریلر

تھا،اصل کھیل تو تمہارے آنے سے اب شروع ہوگا۔سنا ہے بہترین کھلاڑی ہواپنی چالیں خوب پردے میں چھپا کر کھیلتے ہو۔۔۔اچھا ہے ۔۔۔۔مجھے تمہارا یہ اسٹائل بہت خوب لگا۔جانتے ہو کیوں ۔۔۔۔کیونکہ میں بھی چالیں کھیلنا خوب جانتا ہوں،اس کا عملی مظاہرہ اب تک تم نے دیکھ ہی لیا ہوگا۔کیس چھوڑ کرتم اب بھی اپنے آپ کوسائیڈ پر کر سکتے ہو،اگرنہیں تو پھر جو برسوں لگا کرتم نے یہ اپنی عزت کا محل کھڑا کیا ہے۔ اسے تنکوں کی طرح بکھرتے ہوئے تم اب اپنی آنکھوں سے دیکھو گے۔ہاہاہا۔۔۔ کیوں ہے نہ مزے کی بات ۔۔۔اس خونی کھیل کو روک سکوتو روک لو۔۔۔۔ہاہاہا۔۔۔اور ہاں جاتے جاتے میں ایک بات تمہیں بتا تا چلوں، یہ ڈی وی ڈی ایک ہی بار کام کرتی ہےاس کے بعد یہ کرپٹ ہوکر خود بخود ضائع ہوجائے گی۔کہیں ایسا نہ ہوتم لگے رہو اسے اپنا ثبوت بنانے ۔۔۔۔ہاہاہا گڈ بائے ہاہاہاہا۔۔۔"ایک چلاتی ہوئی آواز میں قاتل کا پیغام ختم ہوااوراس کے ساتھ ہی ویڈیو پرنوسگنل اور کرپٹ فائل کا نشان جھومتا ہواان کا منہ چڑانے لگا۔



نئے انکشافات

دو سائے رات کی تاریکی میں مناسب فاصلہ رکھے ایک دوسرے کے آگے پیچھے چلے جارہے تھے۔ان کے پہلو میں ایک گندا نالہ بہہ رہا تھا۔لگتا تھا کہ آگے والے سائے کو اپنے تعاقب کرنے والے سائے کا علم نہیں،اس لئے وہ اطمنان سے چل رہا تھا۔جبکہ پیچھے والا سایہ آگے والے سائے کو کسی بھی وقت مناسب جگہ پر دبوچ لینا چاہتا تھا۔دونوں مغل آباد کی آبادی سے نکل کر ویرانے میں آگئے تھے۔چاند بادلوں کی اوٹ میں چھپا ہوا تھا اور کبھی کبھی اپنا حسین مکھڑا دکھا کر شرماتے ہوئے پھر اپنے آپ کو بادلوں کی چادر میں لپیٹ لیتا تھا۔چاند بھی محبوب کی طرح اپنے عاشق تاروں کو کبھی کبھی اپنا دیدار کروا کر انکے وجود کو تڑپائے ہوئے تھا۔اسے بھی اپنے حسن کی قیمت وصول کرنے کا پورا فن آتا تھا اور تارے بھی بیچارے عاشق کی طرح ساری رات اس کے دیدار کو ترستے رہتے تھے۔جب جب وہ اپنا سراپا دیکھاتا تو تاروں کے دلوں کے تار ہل جاتے تھے۔جو بے چارے اس کے حسن کی تاب نہ لا سکتے وہ وہیں تنکوں کی طرح ٹوٹ کر بکھر جاتے۔

وہ سائے شہر سے ہی دو گاڑیوں پر آگے پیچھے چلتے ہوئے،مین سڑک پر اس ویرانے میں آئے پھر آگے والے سائے نے گندے نالے والے پُل سے تھوڑا سا سائیڈ پر لیجا کر اپنی گاڑی روک لی۔کار

بند کر کے وہ اس کا دروازہ کھول کر باہر نکلا پھر زور سے اسے بند کر کے یوں ہی کچے میں نالے کے ساتھ ساتھ چلنے لگا۔اس کے پیچھے جو سایہ اس کا تعاقب کرتا ہوا آیا تھا اس نے اپنی گاڑی خاموشی سے پُل سے پہلے روکی اور دبے قدموں اس کے پیچھے ہولیا۔ پہلے سائے کا یہاں آنے کا مقصد واضح نہیں تھا۔البتہ دوسرے سائے کا مقصد اس کی چال سے جھلک رہا تھا کہ وہ کیا کرنا چاہ رہا ہے۔اندھیرے میں بھی اسکی آنکھیں شعلے اگل رہی تھیں،شاید وہ پہلے سائے کا قصہ ہی تمام کرنے آیا تھا۔

آرفتہ رفتہ پچھلے سائے نے اپنی رفتار بڑھانا شروع کردی،البتہ پہلا سایہ اسی طرح اطمنان اور سکون سے اپنے قدم آگے بڑھا رہا تھا۔دیکھتے ہی دیکھے تیز ہوائیں چلنا شروع ہوگئیں،مٹی اور ہوا کے ساتھ ساتھ اس کچے علاقے کا جتنا گند تھا اسے بھی پر لگ گئے اور وہ اڑ اڑ کر اِدھر سے اُدھر جانے لگا۔گندے نالے کے غلیظ پانی میں نامعلوم کیسے طغیانی آ گئی،ٹھنڈی اور بدبودار ہواؤں نے شدت اختیار کرلی۔پچھلے سائے کو بھی ماحول دیکھتے ہوئے جوش آ گیا اور پھر اس نے تقریباً دوڑتے ہوئے فضا میں اپنے آپ کو اچھالا اور ہوا میں تیرتا ہوا وہ پہلے سائے کی پشت سے جا کر چپک گیا۔پچھلے سائے نے اپنے آہنی ہاتھوں میں پہلے سائے کے سر اور گردن کو مضبوطی سے تھام لیا۔اس نے اپنی ٹانگوں کا گھیرا پہلے سائے کے وجود سے پکا کر کے جوڑ لیا۔ پہلا سایہ اس نئی افتاد پر بری طرح تڑپنے لگا،پھر اس نے بھی اپنا داؤ چلا دیا۔اس نے اپنا ایک ہاتھ موڑ کر دوسرے سائے کی گردن پر مضبوطی سے جمایا اور پھر ایک ہی جھٹکے سے اسے اپنے سامنے کچی زمین پر پٹخ دیا۔دوسرا سایہ بری طرح سے چیختے ہوئے اپنی کمر زمین سے ہلکی سی اونچی کر کے اپنے ہاتھ اوپر کر کے مچلنے لگا۔اس نے اپنے دانت سختی سے ایک دوسرے کے اوپر جمالئے اور درد کی شدت سے کراہنے لگا۔

پہلے سائے نے آگے بڑھ کر اسے اٹھا کر کھڑا کیا تو دونوں نے ایک دوسرے کے گریبانوں میں ہاتھ ڈال دیئے۔ دوسرے سائے نے اپنے درد پر قابو پاتے ہوئے پہلے سائے کو اپنی لات سے بھرپور انداز میں پنڈلیوں میں ٹھوکر لگائی تو پہلا سایا اوہ کرتا ہوا جھکتے ہی اپنا ہاتھ بھرپور انداز میں دوسرے سائے کے سینے پہ مارا۔ اسی لڑائی کے دوران دونوں گندے نالے کے بالکل کنارے پر آ گئے اور ایکا ایکی میں تیز ہوا کے جھونکوں نے دونوں کا توازن بگاڑا اور دونوں ایک جھپاکے سے گندے نالے کے اندر جا گرے۔



قاسم اپنی بڑی سی توند کے اوپر ہاتھ رکھے، ٹانگیں پھیلائے، منہ کھولے، گدھے کی آواز میں خراٹے لیتے ہوئے سو رہا تھا۔ بار بار نجانے کہاں سے ایک مکھی اڑتی ہوئی اس کی ناک پر آ بیٹھتی تو وہ ہڑ بڑا کر اٹھ جاتا۔ کچھ دیر یوں ہی حیرت سے خلاء میں گھورتا رہتا پھر اسے بات بھول جاتی تو وہ دوبارہ گدھے کی آواز میں خراٹے لیتے ہوئے پھر سے سو جاتا۔ شاید کچھ دیر کے لئے مکھی کو بھی اس کے ناک پر بیٹھنا بھول جاتا تھا اور وہ ادھر ادھر گھومتی پھرتی پھر اسکے ناک پر آ کر بیٹھ جاتی۔ قاسم جو اچھا بھلا اپنے موشن میں لگا ہوتا اسکا ساراردھم ٹوٹ جاتا تو وہ پھر ہڑ بڑا کر آنکھیں کھول لیتا۔ مکھی اڑ جاتی اور وہ یوں ہی خلاء میں گھورنے لگ جاتا، اسے شاید آنکھیں کھولتے ہی بات ذہن سے نکل جاتی کہ وہ کیوں جاگا تھا۔ کچھ دیر یوں ہی خالی نظروں سے گھورتے رہنے کے بعد پھر اس کی آنکھ لگ جاتی۔ یہ سارا عمل گزشتہ ایک گھنٹے سے چل رہا تھا۔ وہ گھر سے اپنی بیوی سے لڑ کر ہوٹل میں کسی فل فلوٹی کی آس میں آ کر کرائے کے کمرے میں رہ رہا تھا۔ فل فلوٹی تو نہ ملی تھی البتہ مکھی ضرور مل گئی تھی جو بار بار اپنی

محبت کا اظہار اس کی ناک پر بیٹھ کر کر جاتی تھی۔

قاسم نے دوپہر کا کھانا اسی ہوٹل میں نہ جانے کتنی دیگوں کو چاٹ کر کیا تھا۔کھانے کے وقت اس کی ذہنی رو بالکل بدل جاتی تھی۔پورے جسم کی آگ اس کے پیٹ میں یا دماغ میں جمع ہو جاتی۔بس پھر تو ہوٹل والوں کی شامت آجاتی اور ان بے چاروں کو اس کے منہ سے نکلنے والے ہر لفظ کو پورا کرنا پڑتا۔قاسم چونکے ان کو منہ مانگے ٹیکس دیتا تھا بلکہ ان کی سوچ سے زیادہ دے دیتا تھا اس لئے ہوٹل والے اس کی ہر جائز و نہ جائز بات کو نہ صرف سنتے بلکہ اس کو پورا کرنا بھی ان کے لئے ضروری ہوتا۔ورنہ قاسم پورا ہوٹل سر پر اٹھا لیتا تھا، جو منہ میں گندی گندی گالیاں ہوتیں وہ ساری نکال لیتا۔ہوٹل والے بچارے اس کے سامنے لیس سر لیس سر کرتے رہ جاتے اس کے علاوہ وہ کچھ اور کر بھی نہیں سکتے تھے۔وہ پنگ پا نگ ہوٹل میں گزشتہ ایک ہفتے سے رہ رہا تھا۔

اب کی بار جب مکھی اس کے ناک پر بیٹھی تو اسکی آنکھیں کھلتے ہی اسے کچھ کچھ سمجھ میں آنے لگا کہ کیوں اس کی بار بار آنکھ کھل جاتی ہے۔اس نے زور زور سے سر ہلاتے ہوئے کہا۔

"اَشا (اچھا) تو یہ بات ہے یہ سالی مالی مکھی مجھے سونے نہیں دے رہی۔وہ کدھر مر گیا سالا مالہ منیجر ۔۔۔۔"اس کے بعد گالیوں کا ایک طوفان اس کے منہ سے نکلا۔

"سالی مالی مکھی کی جرات کیسے ہوئی میرے ناک پر بیٹھنے کی۔میں نے اس کا پورا ہوٹل زمین بوس نہ کر دیا تو میرا نام قاسم ماسم نہیں۔"ایک دم سے اسکا غصہ ساتویں آسمان پر پہنچ گیا۔اس نے بستر سے اٹھتے ہوئے کمرے کے دروازے کا رخ کیا اور پھر بری طرح سے نیند کے نشے میں جھولتا ہوا وہ راہداردی میں آیا اور پھر وہاں سے برقی زینوں کی جانب بڑھ گیا۔جیسے تیسے اس نے منہ میں کچھ

بڑبڑاتے ہوئے برقی زینے گزارے اور پھر وہ جھولتا ہوا کاؤنٹر پر پہنچ گیا۔وہاں ایک کاؤنٹر گرل موجود تھی۔

"تم لوگوں کو شرم نہیں آتا ماتا، یہ میرے کمرے میں مکھی شکھی کیوں پھر رہی تھی۔میں تم سب لوگوں کو اس مکھی پر بٹھا کر شوٹ موٹ کر دوں گا۔کدھر ہے وہ سالا مالا منیجر" قاسم نے دہاڑتے ہوئے پوری قوت سے شیشے کی میز پر ہاتھ مارا تو کاؤنٹر گرل جو ایک مگ میں کافی پی رہی تھی۔اس کا مگ اس کے ہاتھ سے چھوٹ کر میز سے لگتے ہوئے زمین پر گرتے ہی ٹوٹ گیا اور ساری کافی میز پر اور زمین پر بہہ گئی۔وہ ایک گھٹی گھٹی چیخ کے ساتھ ڈری سہی ہوئی منیجر کے کمرے کی طرف دوڑ گئی اس کے دیدے پھیلے ہوئے تھے اور اس کی حالت بہت پتلی تھی۔قاسم اب پوری طرح سے فارم میں آ گیا تھا اور لگتا تھا کہ وہ کسی بھی وقت ہوٹل کی اینٹ سے اینٹ بجا دے گا۔اس نے غصے کی حالت میں لاشعوری طور پر میز پر کافی کے قطروں میں انگلی ڈال دی اور پھر اسے منہ میں لے جا کر چکھتے ہوئے ہوئے جھولنے لگا۔اس کی زبان کو کافی کا سواد بھلا لگا تو اس نے پھر دو تین انگلیاں کافی کے موٹے قطروں میں ڈبو کر انہیں بھی زبان سے چاٹتے ہوئے مزید سواد لیا۔اس اثناء میں ہوٹل کا منیجر انتہائی بوکھلائے ہوئے انداز میں اندر سے دوڑتا ہوا آیا اور آتے ہی وہ اس کے سامنے ہاتھ باندھ کر کھڑا ہو گیا۔قاسم اپنی انگلیوں کو زبان پر لگائے کسی اور ہی دنیا میں گم تھا کہ منیجر کے آنے سے اسے مکھی والی بات یاد آ گئی۔اس سے قبل کہ وہ منہ سے انگلیاں نکال کر اپنی زبان چلاتا۔ہوٹل منیجر نے قدرے آگے جھکتے ہوئے انتہائی رازداری سے ایک آنکھ دباتے ہوئے اس کے کان میں کہا:

"سر ایک بالکل نئی فل فلوٹی آئی ہے ہوٹل میں، وہ کسی شہزادے کو تلاش کر رہی ہے۔میں نے اس سے

آپ کی بات کی ہے، وہ آپ سے ملنے کے لئے بے تاب ہے آپ بس ہاں کریں تو وہ آپ کے اپنے ہی کمرے میں آجائے گی۔"

"ہی ہی ہی۔۔۔۔سچ واہ۔۔۔تو سالا مالا بڑے کام کا نکلا۔۔۔۔۔ہی ہی ہی۔۔۔۔میں ابھی واپس اپنے کمرے میں جاتا ہوں۔تم اسے بھجواؤ۔" ایکدم سے قاسم کی ذہنی رو بدلی اس نے اپنی پیلی بتیسی نکالتے ہوئے کہا اور وہ واپس مڑ کر برقی زینوں کی جانب بڑھ گیا۔



ابھی ڈی وی ڈی پر قاتل کا پیغام ختم نہیں ہوا تھا کہ حمید نے پھرتی سے اپنی جیب سے موبائل فون نکال کر اس ویڈیو کی مووی بنانے کے لئے کیمرا آن کیا ہی تھا کہ ڈی وی ڈی کرپٹ ہو کر فارغ ہوگئی۔اس نے زور سے صوفے پر مکا مارتے ہوئے کہا۔

"دھت تیرے کی اگر مجھے تھوڑا سا بھی علم ہوتا کہ یہ ویڈیو کرپٹ ہوجائے گی تو میں اس کی پہلے ہی ویڈیو بنالیتا۔اُف" حمید بے بسی سے اپنے سر پر ہاتھ پھیرتے ہوئے اپنے اوپر والے دانتوں سے اپنا نچلا ہونٹ کاٹنے لگا۔

"تو کیا اب ہمارا فورنسک ڈیپارٹمنٹ بھی اس ڈی وی ڈی کو دوبارہ کارآمد نہیں بنا سکتا؟"

"ہاں حمید میاں! لگتا تو ایسے ہی ہے،لیکن کوشش کر کے کے دیکھنے میں کوئی ہرج نہیں۔آؤ میرے ساتھ" فریدی نے بات کرنے کے دوران وہ ڈی وی ڈی لیپ ٹاپ سے نکالی اور پھر لیپ ٹاپ سائیڈ پر رکھتے ہوئے وہ تیزی سے اٹھا اور اب اس کا رخ بلیک فورس کے فورنسک ڈیپارٹمنٹ کی طرف تھا۔جو اسی کوٹھی میں زیر زمین بہت سے تہہ خانوں میں سے ایک تہہ خانے میں بنا ہوا تھا۔

فریدی اور حمید ایک دوسرے کے آگے پیچھے چلتے ہوئے مختلف راہداریوں سے ہوتے ہوئے ایک کمرے میں آئے جو بظاہر ایک ڈرائنگ روم کے انداز میں سجا ہوا تھا۔فریدی نے آگے بڑھتے ہوئے ایک دیوار سے نہایت ہی خوفناک الو کی قدیم پینٹنگ کو اتار کر ایک سائیڈ پر رکھا۔الو کی آنکھوں میں سنہری رنگ کی تیز چمک تھی ۔ پینٹنگ کے پیچھے دیوار پر ایک پینل نصب تھا جس پر لاتعداد بٹن بنے ہوئے تھے۔فریدی نے اس پینل میں سے ایک سبز بٹن کو دبایا تو ایک طرف کی دیوار درمیان سے پھٹی اور اس میں سے ایک کمرہ نظر آنے لگا۔وہ کمرہ ہر قسم کے سامان سے آری تھا،فریدی اور حمید تیزی سے چلتے ہوئے اس میں جا کر کھڑے ہو گئے ۔اس کمرے کی ایک دیوار پر ایک چھوٹا سا کمپیوٹر بنا ہوا تھا۔ فریدی نے جلدی سے اسکے دو تین بٹن دبائے اور کمپیوٹر کی اسکرین پر ایک ڈبہ نظر آنے لگا جس کے اوپر انگریزی زبان میں "پاس کوڈ" کے الفاظ لکھے ہوئے ہوئے تھے۔اس نے ٹائپنگ پیڈ پر کچھ لکھا تو اس کمرے کا دروازہ ایک دم سے بند ہو گیا۔پھر وہ کسی لفٹ کے سے انداز میں نیچے جانے لگا، کچھ دیر بعد ایک جھٹکے سے وہ کمرہ رکا تو فریدی نے کچھ ٹائپ کر کے کمپیوٹر پر لکھا تو کمرے کا دروازہ درمیان سے پھٹ گیا۔تو ان کے سامنے ایک جدید ترین فورنسک ڈیپارٹمنٹ تھا جسے فریدی نے ذاتی خرچ پر دنیا جہاں سے قیمتی سائنسی آلات اور دیگر اہم ضروری سامان لا کر سجایا تھا۔اس ڈیپارٹمنٹ کا سربراہ ایک جاپانی ڈاکٹر البرٹ لی تھا جو کرنل فریدی کا بہترین دوست ہونے کے ساتھ ساتھ کافی بے تکلف بھی تھا۔ یہاں پر وہ ایک فی میل ڈاکٹر مدھو اور میل ڈاکٹر جیند کے ساتھ کام کرتا تھا۔

فریدی اور حمید جوں ہی اندر آئے تو ڈاکٹر البرٹ نے اپنی میز سے اٹھ کر ان دونوں کا استقبال کیا۔ایک طرف پانچ لاشیں ایک شفاف گلاس کے کور کے اندر رکھی ہوئی تھیں ۔ جبکہ چاروں طرف

جدید ترین آلات نصب تھے۔

" آؤ آؤ میں آپ دونوں کا ہی انتظار کر رہا تھا۔آپ کی ان لاشوں نے تو مجھے بہت ٹینشن میں ڈال دیا تھا بڑی مشکلوں سے انہیں واش کر کے پھر مزید کام ہوا ہے۔ان بے چاروں کے ساتھ تو بڑا ظلم ہوا ہے۔"

"یہ تو ہم بھی جانتے ہیں ڈاکٹر صاحب! آپ بتائیں آپ نے اپنی طبی تفتیش کے بعد کیا پایا؟"

" کپتان صاحب بہت کچھ۔۔۔آئیں میں آپ کو دکھاتا ہوں۔۔۔۔" پھر وہ ان دونوں کو لیکر ایک بڑی سی اسکرین کے سامنے آیا جہاں پر پانچ دماغوں کی تصویریں نظر آ رہی تھیں۔

"ڈاکٹر البرٹ کیا تم یہ کہنا چاہ رہے ہو کہ یہ پانچوں ریاضی کے شعبے سے تعلق رکھتے تھے۔۔" کرنل فریدی نے اچانک ایک انکشاف کیا تو حمید سمیت ڈاکٹر البرٹ بھی حیران رہ گئے۔

"جینئس ، مائنڈ بلوئنگ۔۔۔احمد کمال فریدی تم نے تو اپنے نام کی طرح کمال کر دیا میں بھی یہی کہنے جا رہا تھا کہ ان کے دماغوں کی مخصوص ساخت باقی دماغوں سے قدرے مختلف ہے۔یہ لوگ عام لوگوں سے زیادہ ذہین ہوتے ہیں۔مجھے ان کے شعبوں کا تو نہیں پتہ جیسے ہمارے مشہور سراخ رساں نے دعویٰ کیا ہے۔لیکن اس قسم کی ساخت رکھنے والے دماغ ریاضی کے مضمون میں غیر معمولی صلاحیتوں کے مالک ہوتے ہیں۔اگر یہ اپنی زندگی کا زیادہ تر حصہ ریاضی پر صرف کریں تو بڑی عمر میں جا کر یہ لوگ ریاضی کے علم کے حوالے سے دنیا بھر میں تہلکا مچا سکتے ہیں۔ریاضی کی مدد سے یہ لوگ اس جہان میں موجود مختلف مظاہر قدرت کا منطق کی بنیاد پر تجزیہ کر کے اس کے لئے بہترین فارمولے وضع کر سکتے ہیں۔جس سے فزکس کے سائنسدانوں کو قدرت کے حوالے سے کئی اہم

مسائل کا حل مل سکتا ہے اوراس حیران کن دماغی صلاحیت کا اختتام صرف یہاں پرنہیں ہوتا۔ یہ لوگ اس کے علاوہ سائنس کے دیگر شعبہ جات کے ساتھ ساتھ،انجینئرنگ، بزنس اور صنعت کے شعبے میں بھی انقلاب بپا کر سکتے ہیں۔اگر میں یہ کہوں کہ دنیا کے تمام سائنس دان،انجینئرز، بزنس مین اور صنعت کار ایک ریاضی دان کے محتاج ہوتے ہیں تو یہ بے جا نہ ہوگا۔کئی دفعہ یہ بات مشاہدے میں آئی ہے کہ ماضی میں سائنس دان کتنے ہی پیچیدہ مظاہرِ قدرت میں آ کر پھنس جاتے تھے،تو یہ ریاضی دان اگران کی مدد نہ کرتے تو سائنس مکمل طور پر فارغ ہوگئی ہوتی۔آج بھی پوری دنیا میں ریاضی دانوں کی بہت قدر کی جاتی ہے ریاضی آج کی اس دنیا میں فزکس، کیمسٹری، بیالوجی،اکنامکس،رمزنویسی اور نہ جانے کتنے شعبوں اور روزمرہ کی زندگی میں استعمال ہوتی ہے۔اس لئے میں آج دکھی دل سے کہہ رہا ہوں کہ ان پانچ عظیم دماغوں کا قتل پوری انسانیت کا نقصان ہےاور سائنسدان پیدا ہوتے رہتے ہیں مگر ریاضی دان بہت نایاب ہوتے ہیں۔" ڈاکٹر البرٹ نے نہایت ہی مخموم لہجے میں گفتگو کرتے ہوئے کہا جبکہ گفتگو کے دوران وہ ایک دوبار آبدیدہ بھی ہو گئے تھے۔

"ڈاکٹر صاحب آپ اس قدر یقین سے کیسے کہہ سکتے ہیں کہ یہ پانچوں ریاضی کا بہترین دماغ رکھتے تھے۔"

" کپتان صاحب! مجھے چالیس پینتالیس سال کا تجربہ ہے،میں نے ایسے نہیں اپنا سر سفید کیا۔اس مخصوص بناوٹ اور خدوخال کے دماغ ریاضی کے حوالے سے بہت زرخیز ہوتے ہیں۔ہاں اب یہ میں نہیں کہہ سکتا کہ ان کی اپنی زندگی میں کون سی فیلڈ رہی ہوگی،اس کا سراغ آپ لوگوں نے خود لگانا ہے۔"

"ڈاکٹر البرٹ میں یہ سب کچھ پہلے سے جانتا ہوں، تم نیا انکشاف کیا کر رہے ہو وہ بتاؤ۔" فریدی نے کہا تو حمید کا منہ حیرت سے کھل گیا جبکہ یہ سب انکشافات جو ڈاکٹر نے کئے تھے وہ سب اس کے لئے نئے اور حیران کن تھے۔

"ہاں فریدی میں تمہیں یہ بتا سکتا ہوں کہ یہ جو آخری لاش تمہیں ائیر پورٹ سے ملی ہے اسے کرنٹ نہیں دیا گیا۔ اسکو صرف کلہاڑے سے کٹ لگا کر گلا گھونٹ دیا گیا۔ اب وہ کرنٹ کیوں نہیں دیا جا سکا اس بارے میں تم خود معلوم کرو۔" ڈاکٹر نے جیسے ہی کہا تو فریدی کی آنکھوں میں ایک پل کے لئے تیز چمک آئی اور پھر غائب ہوگئی۔ "اچھا ڈاکٹر یہ ایک ڈی وی ڈی ہے، جس میں قاتل کی آواز اور اس کی دھمکیاں واضح طور پر ریکارڈ ہوئیں ہیں۔ جو بعد میں ثبوت کے طور پر عدالت میں کام آسکتی ہیں، مگر بدقسمتی سے اس ڈی وی ڈی کی کچھ اس طرح سے پروگرامنگ ہوئی ہے کہ یہ ایک بار چلنے کے بعد خود بخود ہی کرپٹ ہو کر فارغ ہوگئی ہے۔" فریدی نے جیب سے ڈی وی ڈی نکال کر ڈاکٹر کے حوالے کی اور خود گہری نظروں سے ڈاکٹر البرٹ کو ٹٹولنے لگا۔

"ویسے یہ بظاہر حیرت انگیز بات ہے کہ ڈی وی ڈی خود ہی کرپٹ ہوگئی، البتہ اس کو دوبارہ چلنے کے قابل بنانے کی پوری کوشش کروں گا۔ لیکن وعدہ نہیں کر سکتا۔۔۔" ڈاکٹر نے کہا اور فریدی نے ہلکا سا سر ہلایا اس کے چہرے پر چٹان جیسی سختی چھا گئی۔



قاسم کا اغوا

فلیٹ کا دروازہ کھولتے ہی انور اندر داخل ہوا اور پھر دروازہ بند کر کے وہ ٹی وی لاؤنج میں آیا تو سامنے رشیدہ ایک صوفے پر بیٹھی ہوئی ٹی وی دیکھ رہی تھی۔ رشیدہ اسے دیکھتے ہی ایک پل کے لئے سکتے میں آ گئی، اس نے خفیف سا منہ کھولا اور پھر مسکراتے ہوئے بولی:۔

" آ گئے آپ ۔۔۔ ماشا اللہ کیا حالت بنائی ہوئی ہے، بالکل لنگور لگ رہے ہو۔ موصوف چلے تھے بدلا لینے، ہو گیا پورا ۔۔۔ آ گیا آرام ۔۔۔ لگتا ہے کہ واقعی پورا شہر فتح کر کے آئے ہو۔ " یہ کہہ کر وہ قہقہہ لگا کر ہنسنے لگی اور ہنستے ہنستے پیٹ پہ ہاتھ رکھے دہری ہو گئی۔ صوفے پر اس کی دائیں جانب پاپ کارنز رکھے ہوئے تھے اور ٹی وی پر ایک مقامی ڈرامہ چل رہا تھا۔ دوسری طرف انور واقعی لنگور ہی لگ رہا تھا ایسا لگتا تھا کہ جیسے کسی گٹر لائن کے اندر ڈبکی لگا کر آیا ہو۔ جگہ جگہ اس کے جسم پر گٹر کا غلیظ مادہ سوکھ کر چپک گیا تھا، البتہ بالوں سے اب بھی تھوڑے تھوڑے وقفے سے کالے بدبودار پانی کے قطرے ٹپک رہے تھے۔

"اڑالو مذاق، تمہیں سوائے ٹوکیں کرنے کے اور کوئی کام دھندہ نہیں ۔۔۔۔ اور تمہیں کس نے کہا کہ دوسروں کے فلیٹ میں چوری گھس کر پاپ کارنز کھاتے ہوئے ڈرامے دیکھو اور فلیٹ کے مالک پر

تنقید کرو۔ میں لنگور لگوں یا کوئی اور جانور تمہیں اس سے کیا۔" انور نے اپنی آنکھیں چوڑی کرتے ہوئے کہا، اب وہ مزید احمق لگ رہا تھا۔

" یہ کیا کر کے آئے ہو تم ؟ کہیں تمہیں دورے تو نہیں پڑنا شروع ہو گئے؟ نرے پر لے درجے کے الو لگ رہے ہو۔ بدلا لینے کی بھی کوئی حد ہوتی ہے، کوئی سوچ سمجھ کر بندہ پلاننگ سے چلتا ہے۔ تمہاری طرح نہیں بغیر سوچے سمجھے بس کود گیا اور ہاں میرے فلیٹ میں کیبل خراب آ رہی تھی اس لئے یہاں آ گئی۔ مجھے کوئی شوق نہیں ہے تمہارے تماشے دیکھنے کا میری بلا سے تم جہنم میں جا کر ڈبکیاں لگاؤ" رشیدہ نے دانت پیستے ہوئے کہا۔

" غصے میں تم بالکل چڑیل کی فرسٹ کزن لگتی ہو، شکر کرو تم میرے سامنے بیٹھی ہو، میری جگہ کوئی اور ہوتا تو تمہیں مزاحیہ ٹوکیں لگا لگا کر ہی مار ڈالتا۔۔۔۔اور ہاں تمہاری اطلاع کے لئے عرض ہے کہ میں نے اس کی ٹھیک ٹھاک ٹھکائی لگائی تھی اگر وہ ہم گندے نالے میں نہ گر جاتے تو اس کا میرے ہاتھوں بچنا بہت مشکل ہو جاتا۔ نالے میں گرتے ہی پانی کی طغیانی کی وجہ سے وہ بہہ کر نہ جانے کہاں فرار ہو گیا۔ ورنہ میں اسے دیکھ لیتا اور تمہاری اطلاع کے لئے مزید عرض ہے کہ میں سراغ رساں ہوں کوئی عام راہ چلتا شخص نہیں۔ میں نے اس کی شاپنگ مال سے ہی نگرانی شروع کر دی تھی اور پھر اس کے تعاقب میں شہر سے باہر نکل گیا۔ اسے میرے تعاقب کا رتی برابر شک نہیں ہوا، یہاں تک کہ میں نے اسے اس کے سر پہ جا کر دبوچ لیا، آخر کب تک چکنی مچھلی کی طرح ہاتھوں سے پھسلے گا۔۔۔۔اور تم میرا ریکارڈ جانتی ہو زیادہ عیاری مت دکھاؤ آج تک جو کیس میں نے شروع کیا اس کے آخری حد تک گیا ہوں اور کبھی ناکام نہیں ہوا۔"

"تو تم اب خود کو کرنل فریدی صاحب سمجھنے لگے ہو، کہاں وہ کہاں تم۔۔۔۔بس بھی کرو اب اور جا کر نہا لو ورنہ پورے جسم پر جب گندی نالی کے کیڑے رینگتے ہوئے تمہیں اپنی نانی یاد دلائیں گے تو لگ پتہ جائے گا۔کھجلی کرتے کرتے لال پیلے ہو جاؤ گے وہ پھر بھی جان نہیں چھوڑیں گے۔تم مجھ سے رہ رہ کر فرمائشیں کرو گے کہ باکسنگ دستانے پہن کر تمہاری گھونسوں سے طبیعت سیٹ کروں۔تمہیں پھر بھی چین نہیں آنا،تمہارا جسم پھوڑے کی طرح سوج جائے گا۔تم دیواروں میں ٹکریں مارو گے واہ مزہ آجائے گا،تمہیں ایسی حرکتیں کرتے دیکھا نہیں کبھی۔۔۔۔یقین کرو مجھے بہت خوشی ہوگی،تم پھر کسی سرکس میں چلے جانا اور جوکروں کے ساتھ کرتب کرتے تم کیا خوب لگو گے۔لوگ تمہیں دنیا کا آٹھواں عجوبہ کہیں گے۔۔۔۔"

"بس بس زیادہ اچھل کود صحت کے لیے مضر ہے اور تمہاری عمر کے لئے تو خاص طور سے منع ہے کہ زیادہ مینڈکوں کی طرح بدکنے سے دماغ بہہ جاتا ہے اور ویسے بھی تمہارا ہے کتنا،اسے احتیاط سے رکھو مشکل میں کام آئے گا۔" یہ کہتے ہی انور نے اپنے کمرے کی طرف دوڑ لگا دی اسے ڈر تھا کہ کہیں وہ اگر تھوڑی دیر مزید رکا تو رشیدہ نے اس کی پھر مزید مٹی پلید کرنی ہے۔اسے بھاگتا دیکھ کر رشیدہ بری طرح سے ہنسے لگی۔



فریدی اور حمید فورنسک ڈیپارٹمنٹ سے واپس آکر اب گارڈن میں بیٹھے اپنے شکاری کتوں سے کھیل رہے تھے۔یہ جرمن شیفرڈ نسل کے کتے تھے۔فریدی کو دنیا کے مشہور کتوں کی نسلیں پالنے کا مشغلہ تھا جو بعدازاں جنون میں بدل گیا تھا۔اس کی ایکڑوں پر محیط کوٹھی میں باقاعدہ کتوں کا ایک بہت

بڑا ڈاگ ہاؤس بھی بنا ہوا تھا۔جس میں دنیا کے مشہور کتوں کی ہر نسل موجود تھی ، اس میں بلڈ ہاؤنڈز ،گرے ہاؤنڈز اور افریقی بے لوڈنگو قابل ذکر تھے۔گرے ہاؤنڈز کتوں کی سب سے قدیم نسل ہے،ان کی با قاعدہ عالمی سطح پر گرے ہاؤنڈز ریس منعقد ہوتی ہے۔ان کے ریسنگ ٹریکس بنے ہوتے ہیں اور ریس کا بسا اوقات مقصد شغل ہی ہوتا ہے۔ان کا زیادہ سے زیادہ وزن 27 سے 40 کلوگرام ہوتا ہے اور ان کی عمریں 9 سے 11 سالوں کے درمیان ہوتی ہیں۔بلڈ ہاؤنڈز کا شمار شکاری کتوں میں ہوتا ہے اور یہ زیادہ تر ہرن یا جنگلی سؤر کا شکار کرنے میں کام آتے ہیں۔لیکن آج کل ان کا کام انسانوں کی بو پا کر انہیں تلاش کرنا ہے۔پولیس کے لیے یہ کتا خاص مددگار ثابت ہوتا ہے۔اس کے علاوہ جرمن شیفرڈ کی اصل پہچان جرمنی سے ہوئی البتہ برطانیہ میں اسے السیشن کے نام سے جانا گیا۔ یہ کتے بلڈ ہاؤنڈز کے مقابلے میں پولیس،ملٹری اور ایکٹنگ کے شعبوں میں زیادہ بہتر سمجھے جاتے ہیں اور بہت دفعہ فریدی نے ان کی مدد سے کئی مجرموں کو تلاش بھی کیا تھا۔یہ شکاری کتوں کی انتہائی خوفناک نسل ہے یہ ایک بار کسی دشمن کے پیچھے پڑ جائیں تو پھر ان کی بری طرح سے بوٹیاں نوچ ڈالتے ہیں۔

فریدی نے با قاعدہ سب کتوں کو ٹرینڈ کیا ہوا تھا سارے اس کی مخصوص سیٹی کی آواز پر ادھر سے ادھر فوری حرکت کرتے تھے۔اسے کتوں سے ہر کام نکلوانے کا خوب فن آتا تھا، یہ کوئی آٹھ کتے تھے جو اس وقت گارڈن میں فریدی اور حمید سے کھیل رہے تھے۔ان کا کھیل ابھی جاری تھا کہ فریدی کے سیل پر کال آنے لگی۔گارڈن میں اس وقت میز کرسیاں سجی ہوئی تھیں،میز پر فریدی اور حمید دونوں کے سیل فونز رکھے ہوئے تھے۔فریدی تھوڑا فاصلے پر تھا وہ چلتا ہوا میز کے پاس آیا اور پھر اس نے نمبر دیکھتے

ہوئے کال اٹنڈ کی۔

"ہارڈ سٹون۔۔۔۔"

" آپ کرنل فریدی صاحب بات کر رہے ہیں؟"

"یس۔۔۔۔"

"میں ایکریمیا کے سفارت خانے سے ایکریمی سفیر کا پی اے بات کر رہا ہوں، آپ سے سفیر صاحب بہت ضروری بات کرنا چاہتے ہیں۔آپ کے قیمتی وقت سے تھوڑا وقت چاہیے، امید ہے آپ برا نہیں منائیں گے، ہم نے بڑی مشکلوں سے اپنے حکومتی ذرائع سے آپ کا نمبر لیا ہے۔"

"نہیں بالکل نہیں آپ میری بات کروائیں۔۔۔۔"

"جی میں لائن ڈائریکٹ کر رہا ہوں ،ابھی کچھ دیر بعد آپ کی لائن مل جائے گی۔۔۔بس تھوڑی دیر آپ کو انتظار کرنا پڑے گا اس کے لئے میں آپ سے بے حد معذرت خواہ ہوں۔"

"اِٹس او کے۔۔۔۔۔"فریدی نے سپاٹ لہجے میں کہا اور پھر تھوڑی دیر کے انتظار کے بعد دوسری طرف سے سفارت خانے کے سفیر کی آواز آنے لگی۔

"فریدی صاحب میں آپکے ملک میں ایکریمیا کا سفیر کرسٹن بول رہا ہوں ،آپ مجھے جانتے ہی ہونگے کئی بار آپ سے حکومتی میٹنگز میں ملاقات ہوتی رہی ہے۔"

"جی بالکل۔۔۔۔۔"

" کرنل صاحب میں آپ کا بہت مشکور ہوں کہ آپ نے میرے لئے وقت نکالا، دراصل آپ کے پاس جو ایک ایکریمی کی لاش ہے مجھے اس حوالے سے آپ سے کچھ معلومات شیئر کرنی ہیں۔دوسرا

مجھے آپ سے کچھ جاننا بھی ہے کیونکہ حکومت کی طرف سے باقاعدہ کیس اب آپ کو مل گیا ہے تو آپ ہی وہ شخص ہیں جس سے یہ معلومات شیئر ہو سکتی ہیں۔"

"جی فرمایئے۔۔۔۔"

" آپ کے پاس جس ایکریمی کی لاش ہے وہ ریاضی کے شعبے کے سب سے بڑے بین الاقوامی شہرت کے حامل پروفیسر کارل تھامس ہیں، جنہیں ریاضی کی ایک سب برانچ جیومیٹری میں " فیلڈز میڈل " دیا گیا تھا، جسے ریاضی کا نوبل انعام بھی کہا جاتا ہے۔ وہ ایکریمیا سے ساگالینڈ ایک انٹرنیشنل کانفرنس میں شرکت کرنے کے لئے آرہے تھے۔ یہ انٹرنیشنل کانفرنس ریاضی کے حوالے سے اس سال ہونے والی نئی پیش رفت کو مدنظر رکھتے ہوئے منعقد کی جارہی ہے۔ جس میں آسٹریلیا، برطانیہ، گریٹ لینڈ، روس اور پاکیشیا سے عالمی شہرت یافتہ پروفیسرز خطاب کرنے والے ہیں۔ یہ کانفرنس آج سے دو روز بعد ہونے جارہی ہے، ہماری انٹیلی جنس نے تفتیش کر کے یہ معلوم کیا ہے کہ ساگالینڈ آتے ہوئے راستے میں طیارہ دبئی رک گیا تھا۔ یہ اس کا نارمل روٹین کا وقفہ تھا جو عموماً آدھے کا ہوتا ہے مگر اس دن یہ خلاف توقع کسی تکنیکی خرابی کی وجہ سے پانچ گھنٹے رکا رہا۔ اس کے بعد یہ اپنی منزل مقصود یعنی ساگالینڈ اترا۔ اترنے والے مسافروں میں سے پروفیسر کارل تھامس شامل نہیں تھے، مگر پھر اچانک یہ خبر آپکے میڈیا پر آنے لگی کہ اسی طیارے میں کوئی تابوت ملا ہے جس میں ایک ایکریمی کی لاش ہے ۔ ہم نے پورا ریکارڈ چیک کیا تو ایکریمیا سے آنے والے باقی مسافر بحفاظت پہنچ گئے تھے مگر کارل تھامس غائب تھے۔ ہماری تفتیش کے مطابق طیارے کا دبئی ایئرپورٹ پر طویل وقفہ ایک سوچی سمجھی سازش کے تحت ہوا، جس میں جان بوجھ کر طیارے میں کچھ تکنیکی خرابی پیدا کی گئی۔ تاکہ پروفیسر کارل

کو قتل کیا جا سکے،اب پتہ چل رہا ہے کہ انکی انتہائی بھیانک لاش آپکے پرائیویٹ فورنسک ڈیپارٹمنٹ میں موجود ہے ۔ پہلے تو میں آپ سے اس حوالے سے تصدیق چاہتا ہوں کہ کیا میرے پاس جو معلومات ہیں وہ صحیح ہیں یا آپ اس میں کچھ ترمیم کرنا چاہیں گے؟"

"میں اس حوالے سے آپکی تمام انفارمیشن کی تصدیق کرتا ہوں مسٹر سفیر آپ نے جو کہا وہ بالکل درست ہے مجھے بھی یہ تمام معلومات پہلے سے معلوم ہیں ۔"

"بہت بہت شکریہ، ہمارے سفارت خانے کے کچھ نمائندے آپ کے پاس آرہے ہیں میں چاہتا ہوں کہ پروفیسر صاحب کی تابوت میں لاش آپ انکے حوالے کر دیں تا کہ ہم انہیں پورے اعزاز کے ساتھ اپنے ملک لے جائیں ۔اس کے علاوہ ایک بہت اہم انکشاف میں کرنے لگا ہوں اگر آپ اجازت دیں تو۔۔۔۔"

"جی بالکل پروفیسر کارل تھامس ہمارے لئے بھی بہت محترم ہیں انہیں پورے احترام کے ساتھ آپ کے حوالے کر دیا جائے گا۔جی آپ کون سا انکشاف کرنے لگے ہیں؟"

"ہماری انٹیلی جنس اطلاع ہے کہ قاتل کا اگلا ٹارگٹ سا گالینڈ میں ہونی والی ریاضی پر انٹرنیشنل کانفرنس میں شامل عالمی شہرت یافتہ پروفیسرز ہیں۔آپ کا ملک تو کافی پس ماندہ ہے اگر آپ کہیں تو ہمارے ملک کی اسپیشل فورس اپنی خدمات پیش کر سکتی ہے۔ ہماری فورس کے پاس تمام جدید ترین سہولیات موجود ہیں اور اس میں بہترین تربیت یافتہ افراد کا مکمل ایک دستہ موجود ہے جو اس قسم کے ایونٹس کی مکمل سکیورٹی دینے کی پوری صلاحیت رکھتا ہے، دیکھیں سا گالینڈ کی عزت کا سوال ہے امید ہے آپ انکار نہیں کریں گے۔۔۔۔۔"

" آپ کی آفر کا شکریہ ویسے آپکی اطلاع کے لئے عرض ہے کہ کرنل فریدی کے ہوتے ہوئے کسی مجرم کی جرات نہیں ہوگی کہ ان کو ٹارگٹ کر سکے، آپ کو شاید یہ نہیں معلوم کے کرنل فریدی کی بلیک فورس آپ جیسے آٹھ دس ممالک کی اسپیشل فورسز پر بھاری ہے اور آپ کی گستاخی اب تو برداشت کر لی گئی اگر اگلی دفعہ آپ نے بلیک فورس کی یہ توہین کی تو وہ پل آپکی جاب کا آخری ہوگا آپ کو واپس ایکریمیا جانا پڑے گا۔ گڈ بائے" کرنل فریدی نے انتہائی خشک لہجے میں کہا اور پھر اس نے لائن کاٹ دی۔



قاسم برقی زینوں کے ذریعے خوشی خوشی منہ میں کچھ بڑبڑاتا ہوا راہداری میں آیا جہاں پر ایک ویٹر نے اس کے پاس سے گزرتے ہوئے اسے جھک کر سلام کیا تو اس کا سینہ مزید چوڑا ہو گیا۔ وہ سچ میں اپنے آپ کو کسی ریاست کا شہزادہ سمجھ رہا تھا۔ اگر وہ فل فلوٹی اس کے سامنے آ گئی تو قاسم اسے کیسے گفتگو کرے گا۔ اسے کیسے متاثر کرے گا۔ کسی ریاست کا شہزادہ لگنے کے لئے اس کے پاس ایک بڑی سی گاڑی ہونی چاہیے، جس کو پھولوں اور دیگر چیزوں سے سجایا گیا ہو۔ گاڑی تو اس کے پاس تھی اور وہ بھی بہت لمبی بس اس کے اوپر تھوڑی سی مصوری کر کے اسے ایک ریاست کے شہزادے کی ذاتی کار کی حیثیت سے دکھایا جا سکتا ہے۔ اس کی نمبر پلیٹ کی جگہ قاسم کی نیم پلیٹ لگی ہو تو پھر تو مزہ ہی آ جائے، وہ پھر واقعی ایک شہزادہ لگ سکتا ہے۔ وہ انہی خیالوں میں گم اپنے بالوں میں انگلیاں پھیرتے ہوئے اپنے کمرے میں داخل ہوا اور خوشی سے نہال ہوتے ہوئے اس نے دروازہ بند کیا اور پھر چلتا ہوا بڑی شان سے ایک صوفے پر جا کر بیٹھ گیا اور پھر بیٹھے بیٹھے ہی شہزادہ بننے کی مشقیں کرنے لگا۔۔۔۔ اس نے زور سے تالی بجاتے ہوئے کہا:

"ہمارے لئے محل کے سب سے خاص انار پیش کئے جائیں، جن کے ہر دانے پر سنہری قلم سے قاسم لکھا ہوا ہو۔۔۔اوہو۔۔۔۔ہپ۔۔۔نن نہیں۔۔۔۔وہ وہ۔۔۔ ہماری شہزادی کے لئے پپ پیش کئے جائیں۔" پھر اس نے ایک دم سے منہ پر ہاتھ رکھ لیا اور آنکھیں بند کر لیں۔۔۔۔بعدازاں آہستہ سے اپنے ہاتھ سائیڈ پر کئے اور آنکھیں کھول لیں، کچھ دیر وہ یوں ہی اپنے دیدے ادھر ادھر تیزی سے گھماتا رہا جیسے یہ دیکھ رہا ہو کہ کوئی اسے دیکھ تو نہیں رہا۔تسلی ہونے کے بعد اپنے ہاتھ ہٹا کر صوفے پر پھیلا کر پھر سے چوڑا ہو کر بیٹھ گیا۔تھوڑی دیر وہ ایسے ہی بیٹھا رہا پھر اس نے دوبارہ تالی بجائی اور پھر کہا۔۔۔

"ہماری شہزادی کے لئے ایک شاہی خچر گاڑی منگوائی جائے۔۔۔۔جس پر بیٹھ کر ہم نے انہیں محل کے باغات کی سیر کروانی ہے۔۔۔اوہو نہیں ہپ۔۔۔شاید ٹریکٹر۔۔۔نہیں نہیں وہ وہ کیا ہوتی ہے سالی مالی۔۔۔" پھر اس نے ماتھے پر تیزی سے انگلیاں پھیرتے ہوئے چھت پر ایک جانب گھورتے ہوئے سوچنا شروع کر دیا۔اس اثناء میں اچانک اس کے کمرے کا دروازہ بجا ہی تھا کہ وہ انتہائی بوکھلائے ہوئے انداز میں کھڑا ہو گیا۔

"اوہو۔۔لگتا ہے سالی مالی شہزادی مہزادی آ گئی۔۔۔۔اوہو نہیں اب میں کیا کروں" وہ انتہائی پریشانی کے عالم میں صوفے کے گرد گول گول گھوم کر سوچنے لگا کہ وہ شہزادی کا سامنا کیسے کرے گا۔۔۔اتنی دیر میں پھر دروازے کو شدت سے پیٹا جانے لگا۔۔۔اس نے انتہائی بوکھلائے ہوئے انداز میں لاشعوری طور پر تیزی سے چلتے ہوئے آگے بڑھ کر دروازہ کھولا ہی تھا کہ وہی لمحہ اس پر بھاری ثابت ہوا۔ایک گھونسہ پوری قوت سے اس کے پیٹ میں لگا اور وہ ایک دم سے آگے کو جھکا ہی

تھا کہ ایک بھرپور لات اسکی ٹھوڑی پر لگی اور وہ اچھل کر نیچے قالین پر جا گرا اس کے گرتے ہی دو لمبے تڑنگے باڈی بلڈر گنجے حبشی تیزی سے اندر داخل ہوئے اور پھر ان میں سے ایک حبشی نے آگے بڑھتے ہوئے قاسم کی گردن میں زور سے ایک سوئی چبھوئی اور قاسم بے چارے کو چیخنے یا شور کرنے کا بھی موقع نہ ملا اور وہیں دائیں بائیں تیزی سے سر ہلاتے ہوئے تڑپتا ہوا بے ہوش ہو گیا۔ پھر وہ حبشی ایک سائیڈ پر ہوا اور دوسرے حبشی نے انتہائی حیرت انگیز طور پر ایک جھٹکے سے بھاری بھرکم قاسم کو اچھالا اور پھر اسے اپنے کندے پر لاد کر وہ دونوں انتہائی پھرتی سے کمرے سے نکلے اور راہداری میں آتے ہی انہوں نے ہوٹل کا ایمرجنسی ڈور استعمال کیا اور وہاں سے نکل گئے۔



تابوت میں لاش کا قہقہہ

سلور ایکس کیسنیو اس وقت اپنے پورے جوبن پر تھا، ایک بڑے سے ہال میں لاتعداد میزوں پر لاکھوں اربوں کا جوا ہو رہا تھا۔ یہاں پر شہر کے مانے ہوئے جواری اپنی قسمت کے سہارے راتوں رات یا تو کنگال ہو جاتے تھے یا پھر ارب پتی بن جاتے تھے۔ تاش کے پتوں کی ایجاد نویں صدی میں قدیم چین کے شاہی خاندان ٹینگ کے دور میں ہوئی۔ قدیم دور میں اس کی شکل کچھ اور ہی تھی پھر رفتہ رفتہ یہ تبدیل ہوتے ہوتے فرانس پہنچی تو یہ موجودہ جدید شکل اختیار کر گئی۔ اس کی بہت سی نئی کھیلیں بھی ایجاد ہوئیں اور پھر ایک وقت ایسا بھی آیا کہ یہ جادوگروں کے لئے انتہائی پرکشش بن گئی۔ دنیا کے نمبر ون جادوگر ڈیوڈ بلین نے اس کو سٹریٹ میجک میں استعمال کر کے مشہور کیا تو ان کے بعد آنے والے اس صدی کے بہترین جادوگر کرس اینجل نے تاش کے کلو اَپ میجک کو انتہا پر پہنچا دیا۔

خیر بات ہو رہی تھی سلور ایکس کیسنیو کی جہاں پر ہر رات کی طرح آج بھی وہی ماحول تھا، البتہ آج ایک نیا جواری آیا ہوا تھا۔ اس کے ہاتھوں کی پھرتی اور تیزی سے رقمیں جیتتے دیکھ کر سب اسے اٹھ کر دیکھنے پر مجبور ہو گئے تھے۔ وہ اس مہارت سے تاش کے پتے پھینٹتا تھا کہ سب لوگ اس کی پھرتی

پر دانتوں میں انگلیاں ڈال لیتے تھے۔اس کی گہری اور تیز نظریں ایسے معلوم ہوتی تھیں کہ وہ آر پار پتوں کے اندر گھس رہی ہوں۔دیکھتے ہی دیکھتے اس نے لاکھوں کے بعد جیتے جیتے پچاس ارب کی رقم جیت لی تھی۔وہ اس وقت ٹیبل نمبر پندرہ پر بیٹھا تھا اور بہت سے لوگ اس کے ارد گرد اکھٹے ہوکر اسے گھیرے ہوئے تھے۔میز پر کوئی چار افراد تھے اور سب کے سب مانے ہوئے شاپر تھے مگر اس نئے مہمان نے تو سب کو ہی حیران کر دیا تھا۔کیسنیو کی انتظامیہ پریشان تھی کہ کہیں آج یہ کیسینو کو ہی دیوالیہ نہ کر دے۔باون پتوں کی گڈی اس کے ہاتھ میں تھی ہر گیم میں وہ نئے انداز میں شفل یعنی پھینٹتا تھا۔اس کی ہاتھوں کی پھرتی قابل دید تھی۔

ہندو شفل ،رفل شفل اور اوور ہینڈ شفل تو بہت عام ہیں اور یہ ہر کوئی کرسکتا ہے۔اوور ہینڈ شفل میں تاش کو تھوڑا اسے ترچھا پکڑا جاتا ہے اور اوپر سے پتے ہٹا ہٹا کر نیچے ڈالے جاتے ہیں۔ہندو شفل بھی اسی سے ملتی جلتی ہوتی ہے جس میں تاش کے پتوں کو ہاتھوں میں بالکل سیدھا پکڑا جاتا ہے اور پھر انہیں پھینٹا جاتا ہے۔البتہ رفل شفل تھوڑی مختلف ہوتی ہے اس میں تاش کے پتوں کو دو برابر حصوں میں تقسیم کر کے انہیں ایک دوسرے کے اوپر کچھ اس طرح سے گرایا جاتا ہے کہ ایک حصے سے ایک پتہ اور دوسرے حصہ سے دوسرا پتہ یوں پوری تاش کے پتے کو ایک دوسرے کے اوپر گرا کر انہیں مضبوطی سے پکڑ کر جب انہیں موڑ کر چھوڑا جاتا ہے تو یہ انتہائی دلکش انداز میں بہت تیزی سے ایک دوسرے کے اوپر گرتے چلتے جاتے ہیں۔رفل شفل کیسینو میں بڑی عام ہوتی ہے۔

لیکن اس مہمان نے آخری گیم میں کیسکیڈ شفل (cascade Shuffle) کیا جس میں تاش کے پتوں کو برابر دو حصوں میں تقسیم کر کے ایک حصے کو تھوڑا سا ترچھا کر کے دوسرے حصے میں زبردستی گھسا

کرانہیں نہایت خوب صورت انداز میں چھوڑ دیا۔تاش کے پتے ایک دوسرے کے اوپر نہایت پھرتی
سے ایسے گرے جیسے آبشار گرتی ہے۔ یہ گیم پچاس ارب کی لگی ہوئی تھی، جتنے وہ جیتا تھا اب وہ اتنے
ہار بھی سکتا تھا۔یا یہاں سے ڈبل کر کے جاتا۔اس نے نہایت پھرتی سے ہر کھلاڑی کو تین تین پتے
بانٹے اور اپنے پتے اپنے سامنے رکھ لئے۔اس نے اپنے پتے دیکھنے کی زحمت گوارا نہیں کی۔وہ
تیز چبھتی ہوئی نظروں سے باقی کھلاڑیوں کو دیکھنے لگا۔دو کھلاڑی اپنے پتے دیکھتے ہی گیم چھوڑ کر سائیڈ
پر ہو گئے،انہیں اپنی ہار نظر آ رہی تھی لہذا بغیر کھیلے ہی وہ الگ ہو گئے۔اب وہ اور ایک اور شخص بیٹھے
ایک دوسرے کو گھور رہے تھے۔سب سے پہلے اس نے شو کہا تو اس کے مخالف کھلاڑی نے دو غلام اور
ایک ملکہ کھول کر اسکے سامنے رکھ دی۔اب اس کے باری تھی اس نے گھورتے ہوئے اس کی آنکھوں
میں آنکھیں ڈال دیں۔تجسس بڑھتا جا رہا تھا، کیونکہ کسی کو بھی پتہ نہیں تھا کہ اس کے کون سے پتے ہیں
۔یہاں تک کہ اس نے خود بھی اپنے پتے نہیں دیکھے تھے۔بالکل خاموشی چھا گئی،کیسنو کی انتظامیہ
سخت پزل تھی کہ اب کیا ہونے والا ہے وہ چند لمحے سب پر انتہائی بھاری ثابت ہو رہے تھے۔پھر اس
نے بہت آرام سے ایک پتے کو کھینچ کر اپنے پاس کیا اور اس سے زیادہ آہستگی سے ملکہ کھول کر سامنے
کر دی۔ملکہ دیکھ کر اس کے مخالف کھلاڑی کے چہرے پر خفیف سی مسکراہٹ آئی اور پھر غائب
ہو گئی۔اب باقی دو پتے کھلنے کی باری تھی۔اس نے انتہائی آہستگی سے دو پتوں کو اپنی طرف کیا اور پھر
انتہائی پھرتی سے اپنی مکروہ مسکراہٹ کے ساتھ دو پتے میز پر ایک ادا سے اچھال دیئے۔وہ پتے
اڑتے ہوئے فضا میں تین چار دفعہ گھول گھول گھومتے ہوئے ملکہ کے اوپر جا گرے۔۔۔سب لوگ
حیرت سے منہ کھولے ان پتوں کو دیکھ کر سکتے میں آ گئے تھے۔کیسنو انتظامیہ واقعی دیوالیہ ہو گئی

تھی۔۔۔۔۔۔کیونکہ زیادہ سے زیادہ وہ ایک ارب ہی کسی کو جیتنے دیتے تھے ان کے ماہر شار پر کسی کو بھی اس سے زیادہ جیتنے کا موقع نہیں دیتے تھے۔ملکہ کے اوپر دو بادشاہ رکھے ہوئے تھے۔اس نے انتہائی مہارت سے کیسنیو کا ریکارڈ توڑ دیا تھا۔سب لوگوں نے تالیاں بجا کر اسے داد دی۔اس کا مخالف کھلاڑی میز پر زور سے ہاتھ مارتا ہوا بری بری شکلیں بناتا ہوا وہاں سے اٹھ کر چلا گیا۔

اس پراسرار مہمان نے مسکراتے ہوئے وہاں سے اٹھتے ہوئے سب لوگوں کا شکریہ کیا اور کاؤنٹر کی جانب بڑھ گیا۔وہاں پر ایک کاؤنٹر گرل موجود تھی جس نے مسکراتے ہوئے اسے مبارک باد دی اور ساتھ ہی اس نے اتنی بڑی رقم فوری نہ ہونے کے باعث معذرت کی ۔تو اس اجنبی مہمان نے مسکراتے ہوئے ایک کارڈ نکال کر اس کے سامنے میز پر رکھتے ہوئے ایک آنکھ دباتے ہوئے کہا۔

" کوئی نہیں اب میں آپ لوگوں کا مہمان نہیں رہا۔۔۔کیسنیو پھر میرا قرض دار رہا۔۔۔۔اگر کیسنیو اسی طرح قائم رہا تو میں آئندہ آ کر رقم لے جاؤں گا۔۔یہ میرا کارڈ آپ رکھ لیں۔۔۔۔"وہ انتہائی پراسرار لہجے میں کہتے ہوئے پھر وہاں سے لمبے لمبے ڈگ بھرتا ہوا چلا گیا۔کاؤنٹر گرل نے اسکے سحر سے نکلتے ہوئے جوں ہی کارڈ اٹھا کر دیکھا تو اس کا منہ کھلے کا کھلا رہ گیا۔کیونکہ اس پر ایک سیاہ نیولا بنا ہوا تھا جبکہ اس کے علاوہ اور کوئی تحریر موجود نہیں تھی۔

☆☆☆

انور اور رشیدہ جیک اینڈ جل شاپنگ سینٹر سے شاپنگ کر کر کے باہر نکلے ہی تھے کہ انور کو سڑک کے پار ایک آدمی نظر آیا،اتفاق سے اس کی نظر بھی انور پر پڑی اور دونوں کی آنکھوں میں شناسائی کی چمک روشن ہوئی ہی تھی کہ دوسرے آدمی نے وہاں سے دوڑ لگا دی۔انور نے پھرتی سے اپنی کار کا پچھلا

دروازہ کھولا اور اس میں تمام شاپنگ لفافے پھینکے اور پھر اس نے ٹریفک سے بچتے بچاتے سڑک پار کی تو دوسرا شخص انتہائی تیزی سے فٹ پاتھ پر اسکی مخالف سمت دوڑ رہا تھا۔دونوں کے درمیان کافی فاصلہ تھا،اور رش بھی مگر انور کی تیز نظروں نے اسے کھونے نہیں دیا۔وہ شخص تیزی سے ایک گلی میں مڑا جہاں پر زمین پر، دکانوں میں ریڑھیاں پر اور کھوکھے لگائے دکاندار آوازیں لگا لگا کر مختلف چیزیں بیچ رہے تھے۔وہاں پر عورتوں، مردوں کے کپڑے، بچوں کے کھلونے، کتابیں، تلی ہوئی اور دیگر کھانوں کی چیزوں کے علاوہ ڈرائی فروٹس بھی مل رہے تھے۔یہ ایک چھوٹی اور متوسط درجے کی مارکیٹ تھی۔وہ شخص دوسرے لوگوں سے بری سے ٹکراتا ہوا دوڑ رہا تھا۔انور بھی اسکے پیچھے تھا، وہ بھی تیزی سے اس مارکیٹ میں داخل ہو گیا۔ایک دم سے دوڑتے دوڑتے اس شخص کے سامنے ایک سائیکل والا آ گیا۔ جو گلی کراس کر کے ایک دوسری چھوٹی گلی میں جانے چاہتا تھا کہ اس آدمی کو آتا دیکھ کر وہ ایک دم سے بوکھلا کر درمیان میں رک گیا۔جوں ہی وہ شخص اس کے پاس پہنچا اس نے فوراً سائیکل کے اگلے ٹائر کے اوپر سے جھلانگ لگائی اور اڑتا ہوا وہ ایک گول گپوں کی ریڑھی کے اوپر جا گرا۔ریڑھی اس کے وزن کی تاب نہ لا سکی اور وہ آدمی اور ریڑھی دونوں ایک ساتھ زمین پر گرے تو ریڑھی پر رکھی ہوئی تمام چیزیں زمین پر گر گئیں۔دو مٹکے بھی گرتے ہی ٹوٹ گئے اور اس میں سے سارا پانی اور کھٹائی نکل کر زمین پر بہہ گئی۔ریڑھی والا اس اثناء میں زمین سے گر کر کھڑا ہو گیا اور پھر اس نے غصے سے اس آدمی کے گریبان میں ہاتھ ڈال دیئے۔پھر اس نے اسے ایک جھٹکے سے کھڑا کیا ہی تھا کہ اس آدمی نے اپنے آپ کو چھڑایا اور پھر وہاں سے تیزی سے دوڑ لگا دی۔ریڑھی والا بھی اپنی ریڑھی چھوڑ کر اس کے پیچھے دوڑ پڑا۔اس سارے عمل کو دیکھتے ہی مارکیٹ کے دیگر لوگوں نے بھی اوئے اوئے کرتے

ہوئے اس کے پیچھے دوڑ لگا دی۔ دیکھتے ہی دیکھتے وہ آدمی ایک چھوٹی سی سائیڈ گلی میں مڑا اور نظروں سے اوجھل ہو گیا اور انور نے کافی دور تک اس کے پیچھے گیا۔ مگر جو لوگ اس کے پیچھے گئے تھے، وہ بھی کچھ دیر بعد تھک ہار کر اس کا پیچھا چھوڑ کر واپس آ گئے۔ نہ جانے وہ گلی میں گھستے ہی کہاں غائب ہو گیا تھا۔ انور کو شدید مایوسی ہوئی اس نے زور سے زمین پر پڑے ہوئے ایک جوس کے خالی ڈبے پر اپنی لات گھمائی اور وہ اڑتا ہوا دور جا گرا۔ اب بے بسی سے لاتیں مارنے کے سوا اور کیا رہ گیا تھا۔



"ہارڈسٹون۔۔۔"

"بی الیون سر۔۔۔۔"

"یس۔۔۔۔۔۔"

"سر ایک بڑی مچھلی کو سیاہ جال میں پھنسا کر اسے کسی نامعلوم بازار میں فروخت کر دیا گیا ہے، بہت کوشش کے باوجود بھی معلومات حاصل نہیں ہو سکیں۔۔۔۔"

"او کے۔۔۔۔ تم لوگ ہیروں پر نظر رکھو اور ہوشیار رہو۔۔۔ ایسے نہ ہو کہ کوئی سمگلر انہیں لے اڑے۔ گڈ بائے"

فریدی اس وقت سٹنگ روم میں بیٹھا تھا اور اس کے سامنے حمید ایک صوفے پر بیٹھا ایک جاسوسی ناول پڑھ رہا تھا کہ فریدی اس سے گویا ہوا۔

"ایک بہت بری خبر ہے کہ قاسم کو دو حبشیوں نے ایک مقامی ہوٹل سے اغوا کر لیا ہے، کچھ فاصلے تک ان کا پیچھا ہوتا رہا لیکن پھر وہ پہاڑی علاقے میں جا کر کہیں گم ہو گئے۔ میرے خیال میں اب شیری

کام آئے گا،تم اسے نکال کر لے آؤ میں تب تک قاسم کی کوئی چیز تلاش کرتا ہوں جس کی مدد سے شیری ہمیں قاسم تک پہنچائے گا ،میرے خیال میں اب دو دو ہاتھ کرنے کا وقت آ گیا ہے۔"فریدی نے انتہائی ٹھوس لہجے میں کہا اور اس کے ساتھ ہی وہ اٹھ کر اندرونی کمروں کی جانب بڑھ گیا۔جبکہ حمید سٹنگ روم سے نکلتے ہوئے ایک راہدری میں آیا اور پھر وہاں سے منسلک وہ ایک اور راہداری میں داخل ہوا جہاں پر دائیں بائیں بہت سے دروازے تھے۔راہداری کے آخر میں ایک بند دروازے کے سامنے وہ رک گیا جسکے اوپر" ڈاگ ہاؤس" لکھا ہوا تھا۔

اس نے دروازہ کھولا تو اس کے سامنے ایک بہت بڑا ہال نما کمرہ نظر آنے لگا۔ جہاں بہت سے پنجروں میں کتے بندھے ہوا تھے۔جن کی دیکھ بھال کے لئے باقاعدہ دس بارہ ملازم ہر وقت موجود رہتے تھے۔حمید کو دیکھتے ہی سب نے بیک وقت دم ہلا کر اچھل اچھل کر بھونکنا شروع کر دیا۔وہ سب کے سب حمید کے بہترین دوست تھے گویا وہ یوں اچھل کود کر کے حمید کو ڈاگ ہاؤس میں خوشامدید کہہ رہے تھے۔سب کی خواہش تھی کہ حمید ان کے پاس آ کر انہیں پیار کرے یا انہیں اپنا وقت دے مگر حمید ان سے بے نیاز تیزی سے چلتا ہوا شیری کے پنجرے کی جانب بڑھ گیا۔پھر ایک ملازم نے آگے بڑھ کر اسکے پنجرے کا دروازے کھول کر اسے پٹا پہنا کر اس کے ساتھ زنجیر لگائی اور پھر اسے حمید کے ہاتھ میں تھما دیا۔شیری جرمن شیفرڈ نسل کا کتا تھا اور بہت خوب صورت تھا،فریدی اور حمید دنوں کا پسندیدہ کتا تھا۔اس کی ناک پر مکمل سیاہی تھی جو اس کے جسم کے اوپری حصے تک پھیلی ہوئی تھی البتہ نچلا حصہ اور اس کا سینہ بھورے رنگ کا تھا۔وہ انتہائی پھرتیلا تھا اور فریدی اور حمید کا ایک بہترین ساتھی بھی جس نے کئی مجرموں کو تنہا ہی گرفتار کروایا تھا۔

پنجرے سے نکلتے ہی وہ اچھل کر باہر نکلا اور تیر کی طرح حمید کی ٹانگوں کے درمیان گھس کر اس کے قدموں میں نچھاور ہوکر حمید سے لاڈ کرنے لگا۔حمید نے اپنے پنجوں کے بل بیٹھ کر اسے ڈھیر سارا پیار کیا اور پھر اسے لئے وہ تیزی سے وہاں سے نکلتا چلا گیا۔کچھ دیر بعد وہ دونوں سٹنگ روم میں پہنچے تو فریدی دو ریوالور لئے کھڑا تھا۔اس کے سامنے رکھی میز پر قاسم کی ایک انگوٹھی اور لائٹر رکھا ہوا تھا مگر شیری پوری قوت سے حمید سے اپنی زنجیر چھڑواتا ہوا فریدی کی جانب لپکا فریدی نے فوراً ایک ریوالور حمید کر طرف اچھال دیا اور پھر نیچے جھک کر شیری کو بھرپور انداز پیار کیا اور پھر اٹھ کر اس نے اپنے ریوالور کو کمر کی ایک سائیڈ پر اپنی پینٹ کے اندر پھنسایا اور پھر اسکے اوپر اس نے اوورکوٹ پہنا اور سر پر فلیٹ ہیٹ پہن کر وہ جوں ہی فارغ ہوا تو شیری اب بھی اسکی ٹانگوں سے لپٹا لاڈ کر رہا تھا۔البتہ قاسم بھی اوورکوٹ پہن کر تیار ہو گیا تھا۔فریدی نے شیری کی زنجیر تھامی پھر اس نے میز سے قاسم کی انگوٹھی اور لائٹر اٹھا کر اسے شیری کی ناک سے لگا دیا۔شیری بہت ہوشیار تھا دیکھتے ہی سمجھ گیا کہ اس سے کون سا کام لیا جا رہا ہے۔وہ قاسم سے بھی خوب مانوس تھا لہذا وہ فریدی کو زور زور سے کھینچتا ہوا باہر کی جانب بڑھنے لگا۔وہ تینوں مختلف راہداریوں سے ہوتے ہوئے باہر برآمدے میں نکلے تو آسمان پر گہرے بادل چھائے ہوئے تھے اور تیز بارش ہو رہی تھی۔

دیکھتے ہی دیکھتے ان تینوں کو بہت سے نقاب پوشوں نے چاروں طرف سے گھیر لیا۔ان سب نے ایک ساتھ ملکر فریدی کو سلیوٹ کیا اور پھر وہ نقاب پوشوں کے گھیرے میں ایک وسیع وعریض گیراج میں آئے جہاں پر بہت سی سیاہ لمبی لیموزن کارز کھڑی ہوئی تھیں۔وہ سب کی سب بم پروف تھیں،ایک نقاب پوش نے آگے بڑھ کر فریدی کے لئے کار کا پچھلا دروازہ کھولا تو سب سے پہلے شیری اچھل کر

اندر داخل ہو گیا اور پھر فریدی خود اندر جا بیٹھا۔ پھر نقاب پوش نے اس کا دروزاہ بند کیا اور حمید کے لیے گھوم کر دوسرے طرف والا دروازہ کھول دیا حمید کے اندر بیٹھتے ہی وہ دروازہ بند ہوا اور پھر وہ سب کچھ دیر میں دس گاڑیوں کے قافلے میں وہاں سے آگے پیچھے ایک شان سے نکلے اور پھر وہ گاڑیاں مغل آباد کی گیلی سڑکوں پر تیزی سے پھسلتی ہوئی شہر کے مضافاتی علاقے کی جانب بڑھی چلی جا رہی تھیں۔ ایسے لگ رہا تھا کہ ساگالینڈ کے صدر صاحب، صدر ہاؤس سے نکل کر کسی سرکاری دورے پر نکلے چلے جا رہے ہیں۔ بارش کی شدت میں اضافہ ہو رہا تھا اور وقفے وقفے سے نہایت خوفناک بجلی کی چمک سے بادلوں کی شدید گھن گرج بھی ہو رہی تھی۔

مغل آباد کے مضافاتی علاقے سے ایک راستہ دور بڑے بڑے پہاڑوں کی طرف جاتا تھا۔ سڑک پختہ اور کافی چوڑی تھی، کوئی پینتالیس منٹ بعد وہ لوگ چاروں طرف سے پہاڑوں میں گھر گئے۔ پھر وہاں پر ایک جگہ شیری نے بری طرح سے بھونکنا شروع کر دیا۔ فریدی کے ایک اشارے پر سب گاڑیاں ایک ساتھ رک گئیں۔ ایک نقاب پوش نے تیزی سے فریدی کی گاڑی کا فرنٹ دروازہ کھولا اور وہ تقریباً بھاگتا ہوا آیا اور پھر اس نے فریدی کی سائیڈ کا دروازہ کھولا تو فریدی شیری کے ساتھ باہر نکل آیا۔ جبکہ حمید اپنا دروازہ خود ہی کھول کر باہر نکلا۔ بارش بدستور اپنی شدت سے جاری تھی۔

سارے نقاب پوشوں نے گاڑیوں سے نکلتے ہی اپنے آتشی اسلحے نکال لئے۔ پھر وہ شیری کی قیادت میں دشوار گذار پہاڑی پر چڑھنے لگے۔ سڑک سے ہٹتے ہی وہ پہاڑی چٹانوں پر چڑھتے ، اترتے ، پھسلتے ہوئے بڑھے چلے جا رہے تھے۔ کچھ نقاب پوش اترتے ہی گاڑیوں کے پاس رک گئے تھے البتہ کچھ فریدی، حمید اور شیری کو انتہائی ماہرانہ انداز میں گھیرے میں لئے پہاڑی پر چڑھ رہے

تھے۔کوئی پچاس منٹ تک وہ یوں ہی شیری کی قیادت میں آگے بڑھتے رہے پھر شیری نے پہاڑی کے سب سے اوپر اپنے پنجے گھاڑے تو انکے سامنے ایک قدیم قلعہ نما عمارت کھڑی ہوئی تھی۔ جو مکمل طور پر اندھیرے سے ڈھکی ہوئی تھی۔شیری نے اسکے آہنی گیٹ کے سامنے جا کر بری طرح سے بھونکنا شروع کر دیا۔وہ کچھ دیر بھوکتا اور پھر پلٹتا اور فریدی کی پینٹ کھینچتے ہوئے اسے آہنی دروازے کے پاس لے جانے کی کوشش کرتا اور پھر جا کر بری طرح سے دم ہلاتے ہوئے قلعہ کی طرف منہ کرتے ہوئے بھونکنا شروع کر دیتا۔گویا فریدی سے چیخ چیخ کر کہہ رہا ہو کہ قاسم یہیں ہے اور وہ اسے بچالے۔قاسم کی کیا حالت ہوئی ہوگی، کہیں قاتل نے اسے بھی قتل نہ کر دیا ہو؟ممکن ہے کرنے والا ہو۔یہ بھی ہوسکتا ہے کہ فریدی اور حمید کو یہاں بلا کر پھنسایا گیا ہو۔کچھ بھی ممکن تھا،مگر فریدی کبھی بھی موت یا ٹریپ سے ڈر بھاگا نہیں۔اسکے بارے میں مشہور تھا کہ بڑے بڑے پہاڑ اسکے سامنے آ کر اپنا راستہ بدل لیتے تھے۔یہ تو پھر ایک معمولی سا قلعہ تھا،اس نے زندگی بھر ایسے کئی قلعے فتح کیئے تھے۔

فریدی نے شیری کی زنجیر ایک سیاہ نقاب پوش کے حوالے کی اور پھر سائیڈ سے ایک اور نقاب پوش جس کے کندھے پر ایک بیگ لٹکا ہوا تھا وہ اچانک نمودار ہوا اور پھر اس نے کندھے سے بیگ اتار کر اسے ایک گیلی چٹان پر رکھتے ہوئے اسے کھول لیا۔پھر فریدی نے آگے بڑھ کر اس میں سے ایک تین منہ والا ہک نکالا جس کے ساتھ ایک سیاہ، لمبی اور مضبوط رسی بندھی ہوئی تھی۔اس دوران دیگر نقاب پوشوں نے تین اطراف سے قلعے کو گھیر لیا۔ایک سائیڈ پر مکمل ڈھلوان تھی اور اس طرف بہت سی جھاڑیاں اور درخت تھے۔اس جانب ایک بہت ہی خوب صورت دریا بھی بہتا تھا۔

فریدی اور حمید ایک بہت ہی اونچی دیوار کے سائیڈ پر آ گئے اور پھر فریدی نے اپنے ہاتھ میں موجود رسی

کوتولا اور دو تین دفعہ اسے گول گول گھماتے ہوئے پوری قوت سے اسے اچھال دیا۔ ہک پوری طاقت سے اڑتا ہوا دیوار کی دوسری جانب جا کر غائب ہو گیا۔ فریدی نے پھر اسے آہستہ آہستہ اپنی جانب کھنچا تو ہک دیوار کی دوسری طرف اٹک کر پھنس گیا۔ اس نے ایک دو دفعہ پوری قوت سے کھینچ کر اسے چیک کیا تو وہ اسی طرح مضبوطی سے پھنسا ہوا تھا۔

کچھ دیر بعد فریدی نے قلعے کی دیوار پر رسی کی مدد سے چڑھنا شروع کر دیا۔ حمید نے اس کی پیروی کی اور وہ دونوں آہستہ آہستہ انتہائی ماہرانہ انداز میں اپنے قدموں کو انتہائی پھونک پھونک کر رکھ رہے تھے۔ بعد ازاں سب سے پہلے فریدی اوپر چڑھا اور اس نے انتہائی ہوشیاری سے دیوار کے اوپر اپنے پنچوں کے سہارے چلتے ہوئے حمید کے لئے راستہ خالی چھوڑا تو حمید بھی کچھ دیر بعد اوپر چڑھ آیا۔ دیوار کافی چوڑی تھی اور اندر مکمل اندھیرا فریدی ٹارچ روشن کر کے قلعے کے مکینوں کو ہوشیار نہیں کرنا چاہتا تھا۔ البتہ اب بارش کی شدت کچھ کم ہو گئی تھی۔ پھر حمید نے ساری رسی کھینچ لی اور بعد ازاں اسے اپنے نیچے گرا کر ہک کو اتار کر دیوار کی باہر والی سائیڈ پر پھنسایا اور پھر وہ رسی کے سہارے نیچے اترنے لگا اور اس دوران فریدی نے اسے کور کیا۔ اسکے بعد حمید نیچے اتر کر ایک بڑی سی چٹان کے اوٹ میں جا کر بیٹھ گیا اور اب فریدی کو وہ کور کر رہا تھا۔ تھوری دیر ہوئی فریدی پھرتی سے نیچے اترا اور وہ بھی اس بڑی سی چٹان کے پیچھے آ کر حمید سے جاملا۔ دونوں نے کوڈ لینگو ئج میں کچھ طے کیا اور پھر سب سے پہلے حمید اپنی ریوالور لئے تیزی سے چھپتا چھپاتا اندرونی عمارت کی جانب بڑھنے لگا۔ اندر جا کر اندھیرے کی شدت میں مزید اضافہ ہو گیا۔ حمید نے اب احتیاط سے جیب سے پنسل ٹارچ نکال کر اس کو جلایا اور پھر دونوں ہاتھوں کو ملا کر ایک دوسرے کے اوپر رکھا، ایک ہاتھ میں ریوالور اور دوسرے

ہاتھ میں ٹارچ اور اس کی روشنی میں وہ دھیرے دھیرے مختلف راہداریوں سے ہوتا ہوا جب ایک کمرے میں آیا تو ایک دم سے کمرہ تیز روشنی میں نہا گیا۔ دوسرے ہی لمحے میں اس کے ہاتھ پر ایک بھرپور لات پڑی اور پھر اس کے ہاتھ سے ریوالور اڑتا ہوا فضا میں اچھلا اور پھر ایک دم سے ایک حبشی نے آگے بڑھ کر اسے کیچ کر لیا۔ جبکہ اس دوران ٹارچ بھی اسکے ہاتھ سے چھوٹ کر دور جا گری۔

"ہینڈز اپ مسٹر حمید۔۔۔۔" حبشی نے دہاڑتے ہوئے کہا، جبکہ اس دوران اس کے پیچھے اس کا ساتھی حبشی بھی آ گیا۔ یہ ایک ہال نما کمرہ تھا جسے دو حصوں میں منقسم کیا گیا تھا۔ ایک حصہ وہ تھا جس میں وہ لوگ کھڑے ہوئے تھے اور یہاں پر ایک قالین بچھا ہوا تھا اور چند صوفے رکھے ہوئے تھے البتہ دوسرا حصہ اس حصے سے قدرے بلند تھا اور وہاں پر ایک تابوت رکھا ہوا تھا اور اس کے پیچھے ایک بڑی سی کھڑکی لگی ہوئی تھی جس کے دروازے کھلے ہوئے تھے۔ کمرے کے اس حصے میں اس کے علاوہ اور کچھ نہیں تھی۔

"دیکھو کالے بھائی شکر ہے تم نے روشنی جلا دی اور تم نظر آ رہے ہو، میں تو سمجھا تھا کہ تم روشنی میں بھی نظر نہیں آؤ گے اور ہاں میں ہاتھ تو بلند کر دوں گا مگر تم لوگوں نے اس پورے قلعے میں اندھیرا کیوں کیا ہوا تھا۔ کیا بات ہے کہیں آپس میں آنکھ مچولی تو نہیں کھیل رہے تھے۔۔۔۔"

"مسٹر حمید تم زیادہ اوٹ پٹانگ حرکتیں نہ کرو ورنہ قاسم کی طرح تمہیں بھی یہیں ڈھیر کر دوں گا۔ وہ دیکھ رہے ہو تابوت، اس میں اسی کی لاش رکھی ہوئی ہے اور مجھے یہ ریوالور صرف کیچ کرنا نہیں آتا بلکہ میں اس کا استعمال بھی خوب اچھی طرح کر لیتا ہوں۔" اس کی بات سنتے ہی حمید ایک پل کے لئے سکتے میں آیا اور پھر اس نے اپنا منہ سٹی کی طرح گول کیا اور پھر سیٹی بجا دی دوسرے ہی لمحے ایک اور

دروازہ ایک دھماکے سے کھلا اور اس میں سے فریدی اندر داخل ہوا۔ دونوں حبشیوں نے ایک ساتھ پیچھے مڑ کر دیکھا اور پھر فریدی ان کے سامنے آ کر کھڑا ہو گیا۔ اس کے ہاتھ میں بھی ریوالور تھا اس نے وہ ایک طرف پھینکا اور انہیں اپنی طرف آنے کا اشارہ کر کے خودکسی جمناسٹک کرنے والے کے سے انداز میں اپنے ہاتھوں کے سہارا الٹا کھڑا ہو گیا۔ اسکے ہاتھ مضبوطی سے زمین سے لگے ہوئے تھے اور اسکی ٹانگیں فضا میں تھیں۔ اس سے قبل کے دونوں حبشی کچھ سمجھتے دیکھتے ہی دیکھتے فریدی کے جسم میں بجلی عود آئی۔ اس نے پھرتی سے تین قلابازیاں کھائیں اور پھر وہ فضا میں اچھلا اور اڑتا ہوا دونوں حبشیوں کے اوپر سے ہوتا ہوا انکے پیچھے آیا اور پھر انکی گردنوں میں مضبوطی سے اپنے آہنی ہاتھ جما دیئے۔ آن کی آن میں وہ زور بڑھاتا چلا گیا اور دونوں حبشی بری طرح سے پھڑ پھڑانے لگے اور قریب تھا کہ فریدی بھرپور جھٹکوں سے انہیں انکی گردنوں سے محروم کر دیتا مگر آخری لمحے میں اس نے انہیں چھوڑ دیا وہ بری طرح سے اپنی گردنیں مسلتے ہوئے زمین پر گرے اور پھر آہستہ آہستہ کھڑے ہونے کی کوشش کرنے لگے انکی نظریں اس دفعہ جھکی ہوئی تھیں۔ فریدی کبھی بھی خواہ مخواہ خون خرابہ پسند نہیں کرتا تھا اور معاف کر دینے کا قائل تھا۔ اس کی یہی ادا دونوں حبشیوں کو فدا کر گئی تھی، دونوں ہاتھ باندھ کر فریدی کے سامنے کھڑے ہو گئے۔

"میرے آقا میرا نام سامبا ہے اور میں آج سے آپ کا غلام ہوں۔۔۔" یہ کہتے ہی وہ ایک دم سے فریدی کے سامنے سجدے میں گر گیا۔

"میرے آقا میرا نام آگورا ہے اور میں بھی آج سے آپ کا غلام ہوں۔۔۔" یہ کہتے ہی وہ بھی ایک دم سے فریدی کے سامنے سجدے میں گر گیا۔

"نہیں نہیں ایسا نہیں کرتے ۔۔۔۔" یہ کہتے ہی فریدی نے آگے بڑھ کر ان دونوں کو نیچے سے اٹھا کر کھڑا کیا اور پھر دونوں کو گلے لگا لیا۔

"میں مسلمان ہوں اور میں اپنے خدا کے علاوہ کسی کو سجدہ نہیں کرتا اور تم دونوں بھی صرف اسی کو سجدہ کرو گے۔ میں کچھ بھی نہیں ہوں وہ اوپر والا سب کچھ ہے وہی سجدے کے لائق ہے آئندہ یہ عمل نہ کرنا وہی حقیقی معبود برحق ہے۔ یہ بتاؤ تم کس کے لئے کام کر رہے ہو؟"

" ہم اپنے آقا سیاہ نیولا کے غلام تھے، انہوں نے ہی ہمیں افریقہ سے بلایا تھا، یہاں آکر ہمیں قاسم سمیت آپ دونوں کے فوٹو دیئے گئے تھے۔ ہمیں آپ کو یہاں بلا کر قتل کرنا تھا۔ مگر آپ نے تو پوری بازی ہی بدل ڈالی ہم لوگ مسلمان نہیں جو ہم پر بھاری ہوتا ہے وہی ہم دونوں پر حکومت کرتا ہے۔ آپ ہمارے تیسرے آقا ہو اس سے قبل سیاہ نیولا نے ہمارے پہلے آقا کو ایک فائٹ میں چاروں شانے چت کر دیا تھا جسکے بعد ہم اس کی غلامی میں چلے گئے تھے۔ مگر آج تک کوئی ایسا آقا نہیں ملا جس نے ہمیں سجدہ کرنے سے روکا ہو۔ آپ واقعی بہت عظیم ہو آپ چاہتے تو ہم دونوں کو ہی مار ڈالتے پر آپ نے ایسا نہیں کیا۔۔۔۔ یو آر گریٹ باس" آگورا نے نظریں جھکاتے ہوئے کہا۔

"تم لوگ آپس میں رابطہ کیسے کرتے ہو؟۔۔۔۔" اس بار حمید نے آگے بڑھتے ہوئے ان سے سوال کیا۔

"جنگلی کووں سے۔۔۔۔"

" کیا مطلب اس اکیسویں صدی میں بھی تم لوگ پرانے طریقے پر عمل کرتے ہو۔۔۔۔ وہ کیسے؟ "حمید نے حیرت سے منہ کھولتے ہوئے کہا۔ اس کی بات ابھی ختم ہی ہوئی تھی کہ آگورا چلتا ہوا تابوت

کو کراس کرتا ہوا کھلی ہوئی کھڑکی کے پاس آیا۔ پھر اس نے ایک مخصوص سیٹی بجائی تو دو جنگلی کوے اڑتے ہوئے کھڑکی پر آ کر بیٹھ گئے۔ وہ اپنی جسامت کے اعتبار سے عام کتوں سے زیادہ بڑے تھے اور انکی آنکھوں میں ایک خاص چمک تھی۔ اس کے بعد وہ وہاں سے اڑے اور پھر وہ آ گورا کے کندھوں پر آ کر بیٹھ گئے۔

" کاغذ پر تحریر لکھ کر ان کے سینوں پر دھاگے کے ذریعے باندھ دی جاتی ہے تو پھر یہ اپنی مطلوبہ جگہ پہنچ جاتے ہیں۔ بس اتنا سا طریقہ ہے۔ ان جنگلی کووں کو خصوصی ٹریننگ دی ہوئی ہے۔۔۔۔" ابھی آ گورا کی بات ادھوری تھی کہ اچانک تابوت میں سے ایک انتہائی خوفناک قہقہہ بلند ہوا۔ حیرت انگیز طور پر تابوت میں سے لاش کا قہقہہ بلند ہوتے ہی سب لوگ حیرت سے منہ کھولے تابوت کی جانب دیکھنے لگے۔ اتنے میں تابوت کا کور کھلا اور اس میں سے قاسم کی لاش منہ پر ہاتھ رکھے بری طرح سے ہنستی ہوئی باہر نکلی اور پھر اس نے حمید کے سامنے جا کر چٹکی بجاتے ہوئے حمید کو اپنی پہلی انگلی کا اشارہ کرتے ہوئے کہا۔

"ہی ہی ہی۔۔۔۔ دیکھا ڈر گئے ناں۔۔۔۔۔ ہی ہی کیوں کیسا۔۔۔ پھر گھما کے رکھ دیا ناں سب کو۔۔۔ ہی ہی ہی۔۔۔"



کرنل فریدی کی موت

ابھی وہ سب قاسم کی اس نئی حرکت پر غور کر ہی رہے تھے کہ ایک کان پھاڑ دھماکہ ہوا اور قلعے کے در و دیوار ہل گئے۔ فریدی کے علاوہ سب لوگ اپنا توازن کھو کر پھسلتے ہوئے نیچے گر پڑے۔ جنگلی کوے بری طرح سے کائیں کائیں کرتے ہوئے اڑتے ہوئے کھڑکی سے باہر نکل گئے۔ ایسا لگتا تھا کہ زمین میں انتہائی شدید زلزلہ آ گیا ہو، البتہ قاسم کا پھسلتے ہوئے بایاں پاؤں مڑا اور اس میں موچ آ گئی۔ وہ گر کر بری طرح سے چیخنے لگا، اس اثناء میں ایک اور دھماکہ ہوا اور قلعے کی عمارت بری طرح سے لرزنے لگی۔ اس کے ساتھ ہی شدید فائرنگ کا سلسلہ شروع ہو گیا ایسا لگ رہا تھا کہ کسی جدید ترین اسلحے سے لیس فوج نے قلعے پر اچانک دھاوا بول دیا ہو۔ ایک طرف وہ شور اور ایک جانب قاسم کی چیخ و پکار، سب کے کان لگتا تھا کہ جیسے کام کرنا بند کر گئے ہوں۔ فریدی تیز تیز چلتا ہوا کمرے سے باہر چلا گیا البتہ اس دوران قاسم کے علاوہ باقی سب لوگ کھڑے ہو گئے تھے۔ آ گورا نے آگے بڑھ کر قاسم کا بایاں پاؤں پکڑا اور ایک خاص انداز میں نہایت شدت سے جھٹکا دیا تو قاسم انتہائی بھیانک چیخ مار کر بری طرح سے تڑپنے لگا۔ پھر وہ سائیڈ پر ہوا تو سامبا نے جیب سے ایک سوئی نکال کر قاسم کے گلے میں چبھودی۔ قاسم بری طرح سے تڑپتے ہوئے دائیں بائیں سر ہلاتا ہوا بے ہوش

ہو گیا۔اب ان تینوں کے پاس مزید وقت نہیں تھا انہیں بھی نا معلوم حملہ آوروں کے خلاف کھڑے ہونا تھا۔نہ جانے فریدی کہاں غائب ہو گیا تھا مگر اب آ گورا اور سامبا کی قیادت حمید کو ہی کرنی تھی۔

" کیا تم لوگوں کے پاس قلعے میں کوئی اسلحہ موجود ہے؟" حمید نے انتہائی سنجیدہ لہجے میں کہا۔

"ہاں کافی سارا ہے امید ہے آپکو دیکھ کر نہایت مسرت ہو گی، آئیں میرے ساتھ۔۔۔۔۔۔" یہ کہتے ہی آ گورا آگے بڑھتے ہوئے حمید کو لیتا ہوا اس دروازے کی جانب بڑھ گیا جس میں سے فریدی اندر داخل ہوا تھا۔ان کے پیچھے سامبا بھی تھا، وہ وہاں سے مختلف کمروں سے ہوتے ہوئے ایک دروازے کے سامنے آئے جس پر آٹو میٹک کمپیوٹر لاک لگا ہوا تھا۔اس دوران باہر سے شدید نوعیت کی فائرنگ کی آوازیں آ رہی تھیں اور جوابی فائرنگ بھی ہو رہی تھی، جس سے لگ رہا تھا کہ بلیک فورس اور مخالف گروپ کے درمیان ایک جنگ ہو رہی تھی۔آ گورا نے سب سے پہلے ایک بٹن پریس کیا تو ایک کمپیوٹر سکرین روشن ہو گئی جس پر ایک ہاتھ بنا ہوا تھا، پھر ایک عورت کی مشینی آواز آئی۔

"برائے مہربانی اپنی شناخت کرائیں۔۔۔۔۔" اس کے بعد آ گورا نے اس ہاتھ کے اوپر اپنا ہاتھ رکھ دیا کچھ دیر بعد نیلے رنگ کی بہت سی روشنیاں نکلیں اور پھر ایک خاص آواز کے ساتھ دروازہ کھل گیا۔وہ ایک بڑا کمرہ تھا جس کی دیواروں پر بہت سے جدید ترین اسلحے کے شوکیس نصب تھے۔وہاں بہترین مشین گنز، شارٹ گنز، جدید ترین پستول اور ریوالور بھی موجود تھے۔آ گورا نے قدم بڑھاتے ہوئے ایک سائیڈ پر موجود ایک سوئچ پینل پہ بہت سے بٹنوں کو دبایا تو سارے شوکیس ایک ایک کر کے روشن ہوتے گئے۔سب نے آگے بڑھتے ہوئے اپنے پسند کا اسلحہ اور اس میں استعمال ہونے والی گولیاں اپنی جیبیں میں بھریں اور پھر وہ سب لوگ کمرے سے باہر نکل آئے۔جوں ہی وہ باہر نکلے

ایک اور کان پھاڑ دھماکہ ہوا اور وہ تینوں زمین کے بری طرح سے ہلتے ہی پھسلتے ہوئے فرش پر گر گئے جبکہ اس دوران ان کے پیچھے آٹو میٹک دروازہ پوری قوت سے بند ہو گیا۔



شدید بارش میں ایک مکان کی پچھلی دیوار پر کسی آدمی کا سر نمودار ہوا، پھر وہ صحن اور باغیچے کا پورا ماحول دیکھتے ہوئے وہ دیوار کے اوپر چڑھا اور پھر دیکھتے ہی دیکھتے وہ باغیچے میں کود گیا۔اس دوران پوری شدت سے بجلی چمکی اور پھر کچھ دیر بعد بادلوں کی زوردار گھن گرج نے پورے ماحول کو دہلا کر رکھ دیا۔وہ شخص جیسے ہی کودنے کے بعد کھڑا ہوا تو ایک اور آدمی پاس ہی موجود ایک درخت کی اوٹ سے اچانک ظاہر ہوا اور پھر وہ عقاب کی طرح اڑتا ہوا باہر سے کودنے والے شخص کو لیتا ہوا زمین پر جا گرا۔ پھر اس نے نہایت پھرتی سے اس کے منہ پر دو تین گھونسے لگائے، نچلے آدمی نے پھرتی سے کروٹ بدل کر اپنے اوپر والے شخص کو پوری قوت سے گھاس پر گرایا اور پھر اس نے بھی جواباً دو تین مکے اسے جڑ دیئے۔شدید بارش کی وجہ سے دونوں پانی سے تر تھے، معلوم پڑتا تھا کہ جیسے اس مکان کے مکینوں کو اس بارے میں کوئی اندازہ نہیں ہے کہ باہر شدید نوعیت کی لڑائی جاری تھی۔مکان بھی مکمل طور پر تاریکی میں ڈوبا ہوا تھا، وہ اپنی بناوٹ کے اعتبار سے قدیم لگ رہا تھا۔

دور کہیں باہر سے ایک بلی کی رونے کی آواز بھی کبھی کبھی آجاتی تھی، اس کی آواز میں بہت درد چھپا ہوا تھا۔ایسا لگتا تھا کہ جیسے وہ کسی غم سے نڈھال ہو، بعض اوقات وہ آواز بھی کافی منحوس معلوم ہوتی تھی۔رونے کے ساتھ ساتھ وہ کبھی کبھی چیخیں مار کر باقاعدہ ماتم بھی کر لیتی تھی۔نہ جانے اسے کون سا غم لگا ہوا تھا، اس کی آواز بارش کے ساتھ مل کر ماحول کو مزید پراسرار بنا رہی تھی۔بلی کی چیخوں اور

بادلوں کی گھن گرج میں اس لڑائی کا اپنا ہی لطف تھا۔اس لڑائی کا ایک فریق تو انور تھا جو اس مکان میں نہ جانے کتنی دیر سے باغیچے میں کودنے والے کا انتظار کیئے گھات لگائے بیٹھا تھا۔البتہ دوسرا فریق تاحال پردے میں تھا۔

انور کو یہاں آنے سے قبل کامیابی کی کوئی خاص امید نہیں تھی۔مگر اسکے بدلے کی آگ کے سامنے بڑے بڑوں کو اپنی شکست تسلیم کرنی پڑتی تھی۔اس کے جنون نے یہ ممکن بنا دیا تھا کہ آج وہ پھر اسکے اتنا قریب تھا،اب وہ اسے کھونا نہیں چاہتا تھا۔انور نے اس کے گھونسے برداشت کیئے اور پھر اپنی جسم کی پوری طاقت کو جمع کرتے ہوئے اس نے اسے ایک سائیڈ پر ایک جھٹکے سے اچھال دیا۔وہ اچھلتا ہوا دور جا گرا،انور اپنے درد کو برداشت کرتا ہوا پھرتی سے اٹھا اور اس کے سر پر پہنچ گیا۔پھر اس نے اسے اپنی لاتوں اور گھونسوں پر رکھ لیا،ٹھیک ٹھاک ٹھکائی کرنے کے بعد جب اس کا سانس بری طرح سے چڑھ گیا اور اب اسے مزید پٹائی کے لئے وقفہ درکار تھا۔تو اس نے بہت گہرے سانس لینا شروع کر دیئے البتہ جس کی پٹائی ہوئی تھی اس کی ناک بری طرح سے پچک گئی تھی چہرہ خون سے لت پت تھا اب وہ بھی مزید مار کھانے کا متحمل نہیں ہوسکتا تھا۔بارش اپنی تمام تر رونقوں کے ساتھ برس رہی تھی۔انور کچھ دیر اس کے اوپر کھڑا گہرے گہرے سانس لیتا رہا پھر اس کے ساتھ گر کر لیٹ گیا۔دونوں بری طرح سے سانس لے رہے تھے کہ انور نے اپنی پھولی ہوئی سانسوں کو قابو کرتے ہوئے اسے مخاطب کرتے ہوئے کہا۔

"روہت تمہیں منع کیا تھا ناں۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔کہ تم اگر کسی غیر قانونی کام میں ملوث ہوئے تو مجھ سے برا کوئی نہیں ہوگا۔۔۔۔مگر تم نے بالکل وہی کام کیا۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔دیکھو

روہت اگر تم کسی مشکل میں پھنس گئے تھے تو مجھے بتاتے ۔ میں تمہاری مدد کرتا کیا ہم دونوں دوست نہیں ، زندگی کے کئی اچھے برے لمحے ہم نے ساتھ گزارے ہیں۔ زندگی کو ہنستے اور روتے ہوئے قریب سے دیکھا ہے۔اس کومحسوس کیا ہے،اس کی حقیقت کیا ہے اسے جانا ہے۔ میں نے تم پر اعتماد کیا تھا اور اس کی بنیادی وجہ کئی دہائیوں پر محیط ہمارا ساتھ تھا،ہم دونوں کا ہر مشکل میں ساتھ ساتھ رہنا تھا۔نہیں مگر تم نے مجھے کیوں بتانا تھا۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔تم بدل گئے ہو بالکل اس بے وفا موسم کی طرح۔۔۔۔۔یہ بھی اپنی عادت سے مجبور ہے،کبھی بگڑتا ہے تو اپنی تپش سے ہمارے وجود کو جھلسا دیتا ہے۔۔۔۔۔۔۔۔اور کبھی چھوٹے بچوں کی طرح پھوٹ پھوٹ کر رونے لگتا ہے۔کیسی عجیب وغریب طبیعت ہے اس کی ،اب مجھے اس کے مزاج میں اور تمہارے مزاج میں رتی برابر بھی فرق نظر نہیں آرہا۔۔۔۔۔۔۔۔۔تم اسٹوڈنٹ لائف میں ایسے نہیں تھے۔۔۔۔۔شاید شادی کے بعد بدل گئے ہو۔۔۔مگر اپنے دوست کو یوں پھنسا کر قاتل کو فائدہ پہنچانا کچھ سمجھ میں نہیں آیا۔۔۔۔کتنے دنوں سے تم میرے خوف کی وجہ سے گھر بھی نہیں گئے۔۔۔۔بھابی راہ تکتی ہوگی ۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔لیکن تم ظالم ہو۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔تمہیں تمہارے حالات نے بے حس بنا دیا۔۔۔۔کبھی کبھی تم پر دکھ بھی ہوتا ہے کہ تم جس طرح قاتل کے ہاتھ میں کھلونہ بنے،کاش ایسا نہ ہوتا۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔تم روہت نہیں کوئی اور ہوتے ۔۔۔۔۔اگر بھابی نہ سہی تو آٹھ سال کے انوراگ کا خیال کرلیا ہوتا۔۔۔۔وہ کیا سوچے گا جب پورے جہاں میں تمہاری جگ ہنسائی ہوگی ۔اس کا مستقبل تم نے تباہ کردیا،اب وہ کسی اسکول میں نہیں پڑھ سکے گا کیونکہ سب لوگ اسے طعنے دیں گے کہ اس کا باپ ایک مجرم تھا اور انوشہ وہ کیا سوچے گی اس کی تو ابھی عمر بھی نہیں

ہوئی اچھا برا سوچنے یا سمجھنے کی۔۔۔۔۔میں مجبور ہوں تمہیں قانون کے حوالے کرنا میرا فرض ہے، قانون اندھا ضرور ہوتا ہے مگر ہم جیسے سپاہی اس کی آنکھیں بن جاتے ہیں۔۔۔۔۔جرم، جرم ہوتا ہے اور تم نے جرم کیا ہے۔قانون کا احترام کرنا ہر شہری پر فرض ہے اور تم جیسے شخص کو، جس نے قانون کو دھوکا دے کر مجرم کی معاونت کی ،اسے اپنے کیفرکردار تک ضرور پہنچنا ہوگا۔۔۔۔۔۔قانون کی حاکمیت قائم ہوکر رہے گی اور یہی قانون قدرت ہے۔۔۔۔۔۔۔مجھے بہت افسوس کے ساتھ تمہیں کرنل فریدی کے حوالے کرنا ہوگا۔۔۔۔۔۔۔"انور کے الفاظ میں درد اور قانون کی محبت تھی، درد اس کی فیملی کا اور قانون سے محبت اس کی زندگی کا مقصد۔۔۔۔۔وہ خاموش ہوا اور اپنی باتوں کا اثر برسات کے ساتھ اپنے ماحول پر چھوڑ گیا۔



کرنل فریدی وہاں سے نکلتے ہی ایک راہداری میں آ گیا جہاں پر نیم اندھیرا تھا۔اس کے ہاتھ میں کوئی ہتھیار نہیں تھا، مگر اس کے آہنی ہاتھ ہی اس کے لئے سب کچھ تھے۔اسے باہر سے بہت سے قدموں کی مدہم چاپ بھی سنائی دے رہی تھی، البتہ آتشی اسلحوں سے نکلنے والے قہقہوں کی بھیانک آوازوں نے پورے ماحول کو اپنے سحر میں جکڑا ہوا تھا۔ایسا لگتا تھا کہ جیسے جنگ چھڑ گئی ہو اور اب تب میں سب کچھ ملیا میٹ ہو جائے گا۔قلعے کی عمارت دھماکوں کے بعد اب بھی کبھی کبھی جھرجھری لے کر خود کو اپنے وجود میں سمیٹنے لگتی تھی۔۔بے تحاشہ بارش اور جہنمی دھماکوں نے بھی قلعے کی روح کو بری طرح سے جھنجھوڑ دیا تھا۔انسان تو انسان خود قلعے کے احساسات کو بھی اس نے بری طرح سے متاثر کیا تھا۔لگتا تھا کہ جیسے زیادہ دیر تک قلعہ اس بھیانک جنگ کو برداشت نہیں کر پائے گا اور پھر اسکے قدم

اکھڑ جائیں گے۔ایک تو خود صدیوں کے سفر نے اسے اپنے آپ پر بوجھ بنا دیا تھا، دوسرا اب یہ قیامت اسے زمین سے زبردستی گلے لگنے پر مجبور کرتی ہوئی محسوس ہو رہی تھی۔صدیوں کے اس طویل سفر نے قلعے کی زندگی میں بہت سے نئے ہنگاموں نے جنم لیا تھا، جو وقت کے ساتھ ساتھ خود ہی ختم ہوتے گئے تھے مگر اس قلعے کے رعب، دبدبے اور شان وشوکت میں بالکل فرق نہیں پڑا تھا۔وہ صدیوں سے قائم تھا مگر اب وہ ازل تک قائم نہیں رہ سکتا تھا۔اس کی عمر بھی قدرت نے لکھ دی تھی اور اس سے ایک پل اوپر نہ نیچے وہ گزار سکتا تھا۔شاید آج ہونے والے اس خوفناک ہنگامے میں اس کی تقدیر کا فیصلہ ہو جائے۔بے شک خدا کے سوا ہر چیز کو زوال ہے، اس کی موت ہے اور اگر نہیں ہے تو خدا کو نہیں ہے۔وہ ازل سے ہے اور ابد تک رہے گا، اسے نہ زوال ہے اور نہ ہی اس کی شان، رعب و دبدبے کو کبھی شکست ہوگی۔یہی ہے حقیقت اس کائنات کی اور یہی زندگی کی بنیادی حقیقت۔۔۔

فریدی دبے قدموں بڑھتا ہوا راہداری کے اختتام پر آ کر کھڑا ہو گیا، دوسری جانب کوئی آہستہ آہستہ محتاط قدم رکھتا ہوا فریدی والی راہداری سے متصل ایک اور راہداری میں دائیں جانب آ رہا تھا۔وہ چلتے چلتے ایک دم سے رکا اور کسی آہٹ کو محسوس کرنے لگا جبکہ اس دوران باہر فائرنگ زور وشور سے جاری تھی۔راہداری میں آنے والے دوسرے شخص کے پیچھے مزید آدمیوں کے قدموں کی چاپ بھی آنے لگی اور پھر اسی طرح ان کے مخالف سمت سے بھی دو تین آدمیوں کے فریدی کے قریب آنے کی آوازیں آنے لگیں۔اب فریدی دونوں اطراف سے ٹریپ ہو گیا تھا، راہداری کے دونوں جانب کچھ لوگ آ رہے تھے اور وہ یقیناً فریدی کے ہمدرد نہیں ہو سکتے تھے۔ان کے ہاتھوں میں اسلحہ ہونا ایک لازمی امر تھا اور فریدی خالی ہاتھ تھا۔دیکھتے ہی دیکھتے ہی ایک آدمی دائیں جانب سے فریدی والی

راہداری میں اچانک نمودار ہوا،اور فریدی نے اڑتے ہوئے اسکی گردن میں اپنا بازو پھنسا دیا اب وہ مڑ کر دوسری راہدری میں آ گئے تھے۔ جو بندہ فریدی کے ہاتھ میں تھاوہ بری طرح سے تڑپ رہا تھافریدی راہداری میں اسے لئے فوراً دائیں طرف مڑا ہی تھا کہ پیچھے سے آنے والی گولیوں کی بوچھاڑ نے فریدی کے بغل میں پھنسے ہوئے آدمی کو بری طرح سے انکا شکار کردیا اور پھر وہ وہیں فریدی کے بازو میں جھول گیا،اسے اپنی آخری چیخ مارنا بھی نصیب نہ ہوئی۔فریدی اسی کے سہارے فضا میں اچھلا اور پھر سامنے سے آنے والے آدمیوں کی گردنوں میں اس نے اپنی ٹانگیں قینچی کی مانند سختی سے پھنسادیں۔ان کے چہرے لال ہو گئے تھے،انہوں نے غیرارادی طور پر فائر کر دیئے اوراسکے ساتھ ہی انکے ہاتھوں سے انکے اسلحے چھوٹ گئے ۔جبکہ گولیاں سیدھا فریدی کے پہلومیں پھنسے ہوئے آدمی کی پشت میں پیوست ہوگئیں۔اب کی بار وہ پھڑ پھڑانا بھول گیا تھا کیونکہ اس بار وہ ایسا کرنے کی صلاحیت کھوچکا تھا۔فریدی نے اپنی ٹانگوں کو پھر پوری قوت سے اسٹائل کے ساتھ گول گھمایا اوراس کی ٹانگوں میں پھنسے ہوئے آدمی بری طرح سے اڑتے ہوئے اپنی پشت پر موجود آدمیوں پر جا گرے انہوں نے بھی لاشعوری طور پر فائر کر دیئے اوراس بار بھی بے چارہ وہی شکار ہوا جوفریدی کی بغل میں پھنسا ہوا تھا۔یا یہ کہیں کہ فریدی نے اس کوڈھال بنایا ہوا تھا،وہ پانچوں ایک ساتھ ایک دوسرے کےاوپر گرے۔وہ سارے اس نئ افتاد پرذہنی طور پرانتہائی حیران تھے،مگر پھروہ زمین پرگرتے ہی اپنے آپ پر قابو پاتے ہوتے ہوئےفوراً کھڑے ہوگئے۔اس دوران فریدی نے بھی اپنے بغل میں موجود آدمی کوزمین پرایک طرف پھینک دیا۔اب وہ بھی خالی ہاتھ تھااوراس کے سامنے موجود پانچ آدمی بھی خالی ہاتھ تھے۔وہ پانچ اور فریدی اکیلا،اس سے قبل کہ مزید کچھ ہوتا،

اچانک ایک زوردار دھماکا ہوااور زمین بری طرح سے لرز گئی جیسے زلزلہ آ گیا ہوتو فریدی کے علاوہ باقی افراد بری طرح سے اپنا توازن کھو گئے۔وہ گرے اور فریدی نے انہیں اٹھنے کا پورا موقع دیا، جب وہ ایک ساتھ فریدی پر حملہ آور ہوئے تو اگلا منظر دیکھ کر قلعے کی در و دیوار سکتے میں آ گئیں۔کیونکہ فریدی تو بجلی بنا ہوا تھا اس نے ایک ساتھ ان پانچوں کے حملے بلاک کرنا شروع کر دیئے۔وہ اچھل اچھل کر فریدی پر کبھی لاتوں سے کبھی ہاتھوں سے حملے کر رہے تھے مگر فریدی انتہائی مہارت سے سارے حملوں کو روک رہا تھا۔ایک آدمی نے غصے سے جھنجھلا کر خنجر نکال لیا اور پھر وہ اچھل اچھل کر فریدی پر حملے کرنے لگا۔مگر مجال تھی کہ وہ پانچوں فریدی کو چھو بھی سکے ہوں۔دیکھتے ہی دیکھتے فریدی نے خنجر سے حملہ آور شخص کی خنجر والی کلائی پکڑی اور پھر اسے موڑ دیا کٹک کی آواز کے ساتھ ہی اس کا ہاتھ مڑا اور خنجر اس کے ہاتھ سے چھوٹ گیا اور وہ چیختا ہوا اپنا ہاتھ پکڑتا ہوا نیچے بیٹھ گیا۔اس دوران تین حملہ آور ایک ساتھ حملہ کرتے ہوئے فریدی کے پاس آئے۔فریدی نے ایک دم زمین پر بیٹھ کر اپنی ٹانگ کسی آرے کی طرح چلائی اور پھر وہ ٹانگ باقی ٹانگوں سے ٹکرائی اور پھر انہیں اچھل کر زمین پر گھرتے ہوئے مجبور کرنے لگی۔فریدی تو چھلاوہ بنا ہوا تھا،ایک دم سے وہ اچھل کر کھڑا ہوا اور پھر اڑتے ہوئے فضا میں اپنے جسم کو سمیٹ کر اس نے اپنی دونوں ٹانگیں ایک ساتھ جوڑ کر پانچویں حملہ آور کی چھاتی پر چلا دیں۔جوں ہی فریدی کی ٹانگیں اس پر پڑیں وہ اڑتا ہوا سامنے والی دیوار سے بری طرح سے ٹکرایا اور پھر زمین پر گرتے ہی فارغ ہو گیا۔

ایک آدمی کا تو ہاتھ ٹوٹ گیا تھا اس میں تو بالکل سکت نہیں رہی تھی کہ وہ اٹھ کر فریدی پر حملہ آور ہوتا۔البتہ باقی تینوں کھڑے ہو کر فریدی کے سامنے آ گئے انہوں نے بھی اپنے اپنے خنجر نکال لئے

تھے۔آن کی آن میں انہوں نے تین اطرف سے فریدی کو گھیر لیا، پہلے پیچھے اور سامنے والے نے ایک ساتھ حملہ کیا تو فریدی نے ایک دم سے اپنے جسم کو قوس کی طرح موڑا تو سامنے سے آنے والے خنجر بردار نے پیچھے والے خنجر بردار کے عین سینے میں اپنا خنجر گھونپ دیا۔فریدی کے سائیڈ پر موجود حملہ آور نے بھی عین اسی وقت فریدی کے پیٹ پر حملہ کر دیا،فریدی نے فوراً اپنے آپ کو زمین پر گرا دیا۔پھراس نے تڑپ کر کروٹ بدلی تو وہ وار خالی گیا اور پھراس کے ساتھ ہی جس کو خنجر لگا وہ ایک بھیانک چیخ کے ساتھ زمین پر گر گیا۔اس کے بعد دو حملہ آوروں نے تابڑ توڑ حملے شروع کر دیئے اور فریدی زمین پر لیٹے ہی لیٹے کروٹ بدل بدل کر انکے حملے ناکام کرنے لگا۔پھر اچانک ایک حملہ آور کا اس نے حملے کے دوران ہاتھ پکڑ لیا اور اس کے ساتھ ہی دوسرے نے بھی حملہ کیا تو اس نے وہ بھی اپنے دوسرے ہاتھ کے ساتھ روک کر اسکی کلائی پکڑ لی۔کچھ دیر تک یوں ہی ذہنی اور جسمانی کشمکش جاری رہی اور پھر فریدی نے پوری قوت سے دونوں کی کلائیاں مروڑ کر ان کے جسموں پر اپنی دونوں لاتوں سے وار کر دیئے۔دونوں کے ہاتھوں سے خنجر چھوٹ گئے پھر دیکھتے دیکھتے ہی فریدی تڑپ کر اچھلا اور پھر کھڑے ہو کر اس نے دیوار کا سہارا لیکر اس کے اوپر چلتے ہوئے اڑ کر فلائنگ کک ایک کے سر پر رسید کی جبکہ فریدی ابھی فضا میں ہی تھا کہ ایک اور فلائنگ کک اس نے دوسری ٹانگ سے دوسرے آدمی کی چھاتی پر رسید کی۔دونوں زمین پر گر گئے فریدی نے پھرتی سے ایک کو پکڑ کر ایک دیوار میں دے مارا جبکہ دوسرا یہ منظر دیکھ کر فریدی سے معافی مانگتے ہوئے زمین پر بیٹھے بیٹھے پیچھے کو سرکنے لگا۔فریدی نے اسے اس کے حال پر چھوڑ کر باہر کی جانب رخ کر لیا، تاکہ باہر کے ماحول کا جائزہ لے سکے کہ اس اثناء میں پیچھے سے اس آدمی نے اٹھ کر اپنے آپ کو تولا اور پھر وہ اڑتا ہوا فریدی

کی پشت سے آیا ہی تھا کہ فریدی ایک سیکنڈ کے ہزارویں حصے میں نیچے جھکا تو وہ آدمی اپنے ہی زور پر اڑتا ہوا سامنے موجود چند زینوں پر گر گیا ان پر گرتے ہی وہ شخص بری طرح تڑپنے لگا۔ پھر فریدی نے آگے بڑھ کر اسے سیدھا کیا اور اسکی گردن میں اپنی ٹانگیں پھنسا کر پوری قوت سے انہیں ایک جانب موڑ دیا تو انتہائی کربناک مگر گھٹی گھٹی چیخوں کیساتھ اس کی آنکھیں آہستہ آہستہ بے نور ہوتی چلی گئیں۔



رشیدہ کی نئی چمکتی ہوئی کار آئی جی پولیس کے دفتر میں داخل ہو کر وہاں سے اس کی پارکنگ میں چلی گئی۔ اس کی کار کے پیچھے نمبر پلیٹ کی جگہ محکمہ سراغ رساں لکھا ہوا تھا۔ رات کے نو کا عمل تھا اور بے تحاشہ بارش کی وجہ سے جگہ جگہ کیچڑ اور گندے پانی نے اپنی حکمرانی جمائی ہوئی تھی۔ رشیدہ برساتی کوٹ پہنے کار کا دروازہ کھولے باہر نکلی اور پھر تیز تیز چلتی ہوئی اندر چلی گئی۔ وہاں سب سے پہلے اس کا سامنا پولیس کے دیگر افسران سے ہوا۔ اس نے آئی جی پولیس مہان سنگھ سے ملاقات کرنی تھی اور مہان سنگھ اس وقت کسی بہت ہی اہم میٹنگ میں مصروف تھا۔ لہذا اسے انتظار کرنا پڑا، اس دوران اس کے لئے ایک ملازم چائے کا کپ لے آیا۔ میٹنگ کو برخاست ہوتے کوئی ایک گھنٹہ لگ گیا، اس کے بعد ایک سینئر پولیس افسر نے اس کی مہان سنگھ کے کمرے تک راہ نمائی کی اور پھر وہ لوگ دروازے پر ہلکی سی دستک دیتے ہوئے اندر داخل ہو گئے۔ اندر ایک بہترین انداز میں سجا ہوا آفس تھا ایک مناسب سائز کی ٹیبل کے پیچھے مہان سنگھ ایک اونچی گھومنے والی کرسی پر بیٹھا ہوا تھا۔ اس کی عمر کوئی پچاس کے لگ بھگ رہی ہوگی اور چہرے پر سفید داڑھی کے ساتھ سر پر سکھوں کی مخصوص پگ بھی تھی

جو اس کے وقار رعب اور دبدبے میں اضافہ کر رہی تھی۔ دراز قد، چوڑی چھاتی اور کشادہ پیشانی اس کی ذہانت اور بہادری کی چغلی کھا رہی تھیں۔ وہ انتہائی ایمان دار افسر تھا اور پورے ساگا لینڈ میں اس وقت پولیس کے محکمہ میں وہ ایک بہترین افسر سمجھا جاتا تھا۔ اس کا ماضی بے داغ تھا، انتہائی محنتی ہونے کے ساتھ ساتھ لاتعداد پولیس کے ایوارڈز بھی اس کے پاس تھے۔ پولیس کے محکمے سے قبل وہ فریدی کے ساتھ محکمہ سراغ رسانی میں بھی کام کرتا رہا تھا۔ جہاں پر اس نے فریدی کے زیرِ نگرانی اسمگلروں کا ایک بہت بڑا گروہ پکڑا تھا جو دنیا بھر سے نشہ آور ادویات سمگل کر کے مغل آباد میں غیر قانونی طور پر فروخت کرتے تھے۔ جس کا شکار ہو کر کئی نوجوان اپنا مستقبل تباہ کر بیٹھے تھے، ان مجروموں کی گرفتاری اور بعدازاں انہیں عدالت کی جانب سے پھانسیوں کی سزا ملنے پر ملک بھر میں اسے خوب سراہا گیا تھا۔ اسے اس کیس کے حل کرنے پر سرکار کی جانب سے باقاعدہ ایک کوٹھی بھی ملی تھی اور ایوارڈ کے ساتھ اسے ڈھیر ساری انعامی رقم بھی دی گئی تھی۔ مگر بعد میں محکمہ سراغ رسانی کو پولیس کے محکمے میں ضم کر کے اسے سرکار کی طرف سے آئی جی کا عہدہ دے دیا گیا تھا۔ یہاں پر اس کی کارکردگی اچھی تھی، اس نے بطور پولیس سربراہ کے پولیس کے محکمہ کی عوام کے لئے جرم اور مجرم سے آگاہی اور شعور کے لئے ایک مہم ساز ویب سائٹ بنوائی تھی۔ جس میں عوام کو باقاعدہ عام فہم زبان میں تعلیم دی گئی تھی کہ وہ کس طرح جرائم سے بچ سکتے ہیں۔ اس میں جرائم کی مکمل آگاہی موجود تھی کہ جرائم کس نوعیت کے ہوتے ہیں، ان کی اقسام کتنی ہوتی ہیں اور کن عوامل کی وجہ سے انسان مجرم بنتا ہے۔ اس کے علاوہ اس میں قانون کے احترام کے لئے بہت سے ویڈیو پیغامات اور اسی موضوع پر کئی مضامین بھی موجود تھے۔ اس کے علاوہ وہ آہستہ آہستہ پولیس کے محکمے کی اصلاحات بھی کرتا رہتا تھا۔ لیکن اس

کیس میں اس نے میڈیا کے پریشر کی وجہ سے یہ کیس کرنل فریدی کو دے دیا تھا۔اس کی وجہ یہ تھی کہ اسکی میڈیا مینجمنٹ فریدی کی بلیک فورس کوخوب آتی تھی اس معاملے میں پولیس کے پاس کوئی خاص ٹریننگ نہیں تھی اور نہ ہی کوئی الگ محکمہ۔لہذا اسے یہ کیس شہریوں کےامن اورسکون کے لئے فریدی کو ٹرانسفر کرنا پڑا۔

مہان سنگھ کی میز پرسا گالینڈ اور پولیس کے محکمے کے چھوٹے سے جھنڈے رکھے ہوئے تھے۔اس کے علاوہ مختلف رنگوں کے چار عدد فون سیٹ بھی موجود تھے۔میز پر سجاوٹ کے لئے چند نمائشی پیس بھی موجود تھے۔مہان سنگھ کی پشت پر دیوار کے اوپر مغل آباد شہر کا ایک بہت بڑا نقشہ بھی ایک کپڑے پر پرنٹ ہوکر سجا ہوا تھا۔دیوار پر ایک جانب گھڑی بھی لگی ہوئی تھی جو وقت کے ساتھ ساتھ سن اور تاریخ بھی بتاتی تھی۔کھڑکیوں پر بہترین پردے اور فرش پر اسی رنگ کا قالین دفتر کے خوب صورت ہونے کا چیخ چیخ کر اعلان کر رہے تھے۔

مہان سنگھ نے رشیدہ کے اندر آتے ہی کھڑے ہوکر اس کا استقبال کیا،رسمی ابتدائی قلمات کے بعد وہ لوگ ایک ساتھ ایک دوسرے کے آمنے سامنے بیٹھ گئے۔ان کے درمیان اب صرف ایک میز حائل تھی جبکہ پولیس کا دوسرا افسر جو رشیدہ کی راہنمائی کرتا ہوا آیا تھا وہ بھی رشیدہ کے پاس والی کرسی پر بیٹھ گیا تھا۔

"جی مس رشیدہ میں انتہائی معذرت خواہ ہوں کہ آپ کو انتظار کرنا پڑا۔کیونکہ میرے ساتھ والے کمرے میں ایک کمپیوٹر کے ذریعے آن لائن میٹنگ ہو رہی تھی۔امید ہے آپ درگزر کریں گے کیونکہ کرنل صاحب کا ریفرنس آتے ہی آپ کے احترام کو خاص طور پر ملحوظ خاطر رکھنا پڑا۔"مہان سنگھ نے

انتہائی معذرت خواہانہ انداز میں بات کرتے ہوئے کہا۔

"جی نہیں آئی جی صاحب معذرت تو مجھے کرنی چاہیے کہ میں آپ کے میٹنگ کے وقت آپ کو ڈسٹرب کرنے آ گئی وہ دراصل میں فریدی صاحب کے کہنے پر ایک تفتیش کے سلسلے میں ریلوے اسٹیشن جانا چاہتی ہوں۔ وہ جو چوتھی لاش آپ کو تابوت میں اس ٹرین سے ملی تھی مجھے اس بارے میں تفتیش کرنے کے لئے جانا ہے اور میں چاہتی ہوں کہ آپ وہاں کے سٹیشن ماسٹر اور دیگر عملے سے میرے جانے کے حوالے سے راہ ہموار کریں۔ تا کہ وہ لوگ مجھ سے مکمل تعاون کریں، مجھے جائے واردات بھی دیکھنی ہے اور عملے سے تفتیش بھی کرنی ہے۔"

"جی جی بالکل کیوں نہیں، اگر فریدی صاحب نے فون کر کے مجھے پہلے ہی کہہ دیا ہوتا تو آپ کو یہاں آنے کی ضرورت ہی نہیں تھی۔ آپ سیدھا ریلوے اسٹیشن چلی جاتیں، آپ نے بلاوجہ تکلیف کی یہ کوئی بات ہے بھلا میں ابھی فون کر دیتا ہوں اور اگر کرنل صاحب خود ہی اسٹیشن فون کر دیتے تو بھی بات بن جاتی۔۔۔"

"جی وہ دراصل کیس کے دیگر پہلوؤں پر تفتیش کر رہے ہیں اس لئے مجھے آپ کے پاس آنا پڑا۔ وہ مصروف ہی اتنے تھے کہ خود فون نہ کر سکے۔۔۔ امید ہے آپ انکے فون کئے بغیر ہی تعاون کریں گے۔۔۔۔"

"جی جی مس رشیدہ آپ تو شرمندہ کر رہی ہیں میں ابھی فون کرتا ہوں۔۔۔۔" یہ کہتے ہی اس نے ہرے رنگ کا فون اٹھایا اور پھر اس پر نمبر ڈائل کرنے لگا۔ کچھ دیر کے بعد دوسرے جانب سے لائن ملتے ہی اس نے رسمی دعائیہ قلمات کے بعد کہا۔

"جناب یہ میرے سامنے مس رشیدہ بیٹھی ہیں یہ فریدی صاحب کے بلیک فورس کی طرف سے آپ کے پاس اس گمنام تابوت میں ملنے والی لاش کے حوالے سے تفتیش کرنے کے لئے آ رہی ہیں امید ہے آپ تعاون کریں گے۔۔۔۔۔جی ہاں۔۔۔۔جی۔جی۔۔۔۔۔۔۔صحیح ہے۔۔۔۔بہتر۔۔۔اوکے گڈ بائے۔۔"

" آپ کا کام ہو گیا مس۔۔۔۔۔۔۔" اس نے مسکراتے ہوئے کہا اور اس کے ساتھ ہی رشیدہ نے مسکراتے ہوئے اس سے اجازت چاہی، تو مہان سنگھ خود اٹھ کر اسے دروازے تک چھوڑنے آیا اور پھر وہ وہاں سے چلی گئی۔

☆☆☆

سلور ایکس کیسنیو کا مالک ابلیری آندرے اس وقت وہ اپنے زیر زمین آفس میں بیٹھا ایک ایل سی ڈی کی مدد سے ہال میں ہونے والے جوئے کو دیکھ رہا تھا۔اسکی سکرین پر ہر ٹیبل کا کلو اَپ ہو سکتا تھا، اس کی اسکرین فی الحال دس خانوں میں بٹی ہوئی تھی اور اس کا فوکس آج کوئی نہیں تھا بلکہ اسے اس پراسرار شخص کا انتظار تھا جو پورے کیسنیو کو ماموں بنا گیا تھا۔اسے سا گا لینڈ میں کیسنیو کھولے پانچ برس ہو گئے تھے، وہ دراصل فرانسیسی تھا اور ریاضی کے مضمون میں خاصی مہارت رکھتا تھا۔اس نے اس مضمون میں ماسٹرز کیا ہوا تھا، پہلے پہل تو وہ ریاضی کا پروفیسر بنا مگر وہاں اسے کوئی خاص کامیابی نہ ملی اسے دولت کی بے انتہا ہوس تھی۔وہ راتوں رات امیر ہونا چاہتا تھا اور اسے اسکے اپنے ملک میں کوئی خاص پذیرائی نہ ملی تھی۔وہ ریاضی کا اتنا شوقین تھا کہ کبھی کبھی کیسنیو کی روٹین سے اکتا کر ریاضی کے مشکل اور پیچیدہ مسئلے حل کرنا شروع کر دیتا تھا۔اس کا دماغ اس میں خوب چلتا تھا اور اس کی دل میں

کہیں یہ آرزو ضرور تھی کہ وہ کچھ ایسا کر جائے کہ اس مضمون میں انقلاب بپا ہو جائے۔وہ کیسنیو کے ذریعے پیسے کما کر اپنے کالے دھن کو ریاضی کی ایک بڑی درسگاہ قائم کر کے اسے نہ صرف سفید دھن میں بدلنا چاہتا تھا بلکہ ریاضی کے لئے زیادہ سے زیادہ کام کرنا چاہتا تھا۔

اس مقصد کے حصول کے لئے اس نے اپنے ملک میں تو خوب محنت کی پر اسے وہاں سیاسی و قانونی وجوہات کی بنا پر کیسنیو کھولنے کی اجازت نہ ملی پھر اسے کسی اپنے خیر خواہ نے مشورہ دیا کہ وہ کیوں ناں ایشیا کے کسی ترقی پذیر ملک کا رخ کرے جہاں کی حکومتیں بھی کرپٹ ہوتی تھیں اور قوانین بھی نرم۔اگر کسی وجہ سے وہ پکڑا گیا تو آسانی سے رشوت دے کر چھوٹ جانے کے کافی چانسز تھے،لہذا اسے اپنی قسمت وہاں آزمانی چاہیے۔اسے یہ مشورہ بھلا لگا لہذا وہ فرانس چھوڑ کر پاکیشیا چلا گیا،کچھ عرصہ کام کرنے کے بعد وہ پاکیشیا سیکرٹ سروس کی نظروں میں آ گیا جس کی وجہ سے اسے وہاں سے سارا دھندہ چھوڑ کر ساگالینڈ آنا پڑا۔یہاں بھی اسے بلیک فورس سے ڈرایا گیا مگر پرسوں تک تو اس کا دھندہ خوب چل رہا تھا لیکن کل ایک شخص نے اچانک آ کر اسے دیوالیہ کر دیا تھا یہ بات واقعی اس کے لئے تشویش کا باعث تھی۔وہ اتنی بڑی رقم کا مقروض آج تک نہیں ہوا تھا۔

اس کی عمر چالیس بیالیس کے لگ بھگ رہی ہوگی اور وہ چہرے پر فرنچ کٹ رکھتا تھا۔کنپٹیوں پر سفیدی نے اسے اس کی عمر سے زیادہ بڑا بنا دیا تھا۔وہ پچاس برس کا دکھتا تھا،کبھی کبھی خود بھی جوا کھیل لیا کرتا مگر صرف شغل کی حد تک اس سے زیادہ نہیں۔اس نے یہاں باقاعدہ اپنے کارندے رکھے ہوئے تھے جن کی مدد سے وہ ہر جوا کھیلنے والے کو لوٹتا تھا۔ایک ارب سے زیادہ کسی کو جیتنے نہیں دیتا تھا، ہر کارندے کو باقاعدہ اسے اسکی محنت کی اجرت ملتی تھی۔اب دیوالیہ ہونے کے بعد اگر وہ اس کو رقم نہ

لوٹا سکا تو نہ جانے پھر کیا ہوگا کہیں بلیک فورس کا ہی کوئی بندہ نہ جو اس کے بعد اسکے پیچھے نہ پڑ جائیں ۔لیکن وہ خود کون تھا اور سیاہ نیولا والا کارڈ اس کا کیا مطلب ہوسکتا تھا؟ کہیں یہ خاموش دھمکی تو نہیں تھی؟ آخر وہ اس خطرناک کارڈ کو دے کر کیا پیغام دینا چاہتا تھا؟ اگر وہ روز آ کر کھلنا شروع ہو گیا تو پھر تو اسکا ریاضی والا خواب محض خواب ہی رہ جائے گا۔اس جیسے بہت سے سوالات اور وسوسے اس کے ذہن میں گردش کر رہے تھے اور اسکے ماتھے پر لکیروں کا جال پھیلا ہوا تھا۔قریب تھا کہ سوچ سوچ کر اس کی دماغ کی رگیں ہی پھٹ جاتیں۔اس نے سوچا کہ کیوں نا وہ نہا کر تر و تازہ ہو جائے تا کہ وہ کچھ سوچنے سمجھنے کے قابل ہو سکے۔

یہ سوچ کر وہ اٹھا اور پھر اس نے اپنا کوٹ اتار کر اپنی گھومنے والی کرسی کی پشت پر لٹکایا اور پھر خود تولیا اٹھا کر واش روم کی جانب بڑھ گیا۔واش کا دروازہ کھول کر وہ اندر آیا اور پھر اس نے دروازہ کی کنڈی چڑھا دی وہ جوں ہی اس کام سے فارغ ہوا کہ اچانک کسی نے لوہے کی ننگی وائر اس کی گردن کے گرد بے دردی سے لپیٹ لی پھر اس کی گردن کے گرد وہ زور بڑھاتا چلا گیا۔آبلیر آندرے بری طرح سے اپنی گردن کے گرد ہاتھ لے جا کر اپنے آپکو چھڑوانے کی ناکام کوشش کرنے لگا۔وہ بری طرح سے تڑپ رہا تھا اور کوئی اس کی گردن کے گرد زور بڑھاتا چلا جا رہا تھا پھر ایک دم اس نے آندرے کو اچھال کر آئینے کے سامنے کر دیا۔کچھ دیر کی مزاحمت کے بعد جوں ہی آندرے کی نظر آئینے پر پڑی اسے کوئی سیاہ نقاب پوش سیاہ دستانے پہنے نہایت بے دردی سے زندہ مارنے کی کوشش کر رہا تھا۔وہ جو کوئی بھی تھا اس کی آنکھیں غصے سے لال ہو گئیں تھیں جبکہ آندرے کے دیدے پھیلے ہوئے تھے اسکی زبان باہر نکل آئی تھی اور وہ گھٹی گھٹی بہت بھیانک آوازیں نکال رہا تھا اور پھر ایک دم سیاہ نقاب پوش

نے اسکی گردن سے وائر نکال کر اسے واش روم کے فرش پر پٹخ دیا۔آندرے بری طرح سے تڑپتا ہوا اپنی گردن پکڑے فرش پر منہ کے بل لیٹتے ہوئے کھانسے لگا کھانسی کے ساتھ ساتھ اسکی گردن سے خون بھی بہنے لگا تھا۔جبکہ اس کی گردن کے گرد لال دائرہ بھی بن گیا تھا۔پھر سیاہ نقاب پوش نے وائر ایک طرف زمین پر رکھی اور آگے بڑھ کر واش روم کے باتھ ٹب میں پانی کھول دیا۔تھوڑی دیر میں وہ بھر گیا تو اس نے پھر زمین پر پڑے ہوئے آندرے کو بری طرح سے اٹھا کر کھڑا کیا اور پھر اس نے اس کا سر باتھ ٹب کے پانی میں دے دیا۔آندرے بری طرح سے پھڑ پھڑا رہا تھا،اس کی سانس اکھڑ رہی تھی اور گردن کا سارا خون پھیل کر پانی کو لال کر رہا تھا۔کچھ دیر بعد نقاب پوش نے اسکے سر کو پانی سے نکال کر چھوڑ دیا۔آندرے بری طرح سے سانسیں لے رہا تھا اس کی حالت غیر ہو رہی تھی،اس نے بڑی مشکلوں سے اپنا سانس بحال کرنے کو کوششیں کیں۔

بعدازاں نقاب پوش نے نیچے گری ہوئی وائر اٹھائی اور اسے بجلی کے بورڈ کے پاس لے جا کر اس کے ساکٹ میں وائر کا ایک سرا ڈالا اور پھر اس نے سوئچ آن کر دیا۔اس کا دوسرا سرا لے جا کر اس نے باتھ ٹب کے پانی میں ڈال دیا۔چونکے اس نے خود بجلی کے کرنٹ سے بچنے کے لئے خاص دستانے پہنے ہوئے تھے اس لئے وہ ننگی تار کو بلا خوف خطر استعمال کر رہا تھا۔اس کے بعد پانی میں ہلکی سی ارتعاش پیدا ہونا شروع ہوئی تو اس نے دوبارہ آندرے کی طرف قدم بڑھا دیئے۔آندرے نے ڈر اور خوف سے ہاتھوں کے اشاروں کی مدد سے اپنی زندگی کی اپیلیں کرنا شروع کر دیں۔ان مظلوم اپیلوں کو دیکھ سیاہ نقاب پوش نے قہقہہ لگا کر حقارت سے اس کا سر تھام کر دوبارہ پانی میں ڈال دیا۔نقاب پوش پر تو جیسے جنون سوار تھا،وہ اس پورے عمل سے خوب لطف اندوز ہو رہا تھا۔چند سیکنڈوں

کے بعد اس نے اسے سانس لینے کی مہلت دی آندرے منہ کھولے بری طرح سے گہری گہری سانسیں لیتا ہوا منہ سے پانی نکالتا ہوا اپنی آنکھیں کھولنے کی ناکام کوشش کرنے لگا۔ باتھ ٹب کا پورا پانی لال ہو چکا تھا اور اب ابل ابل کر ٹب سے باہر نکل رہا تھا۔ سیاہ نقاب پوش نے ایک بار پھر اس کا سر پانی کے ٹب میں ڈال دیا اور پھر کچھ دیر بعد نکال دیا۔ وہ یہ عمل کچھ دیر تک کرتا یوں ہی کرتا رہا پھر اس نے اسے دوبارہ فرش پر حقارت سے پھینکا اور پھر وہ سوئچ بورڈ کی طرف بڑھ گیا اس نے وہاں جا کر سوئچ بند کر کے وائر سمیٹی اور پھر اسے اپنی اندرونی جیب میں ڈال کر وہ دوبارہ آندرے کی طرف بڑھ گیا۔ اس نے آندرے کو اسکے بالوں سے اپنی مٹھی میں پکڑا اور پھر اسے گھسیٹتا ہوا وہ دروازے کے پاس آیا اور پھر وہ دروازہ کھول کر باہر نکلا اور پھر اس نے اسے اسکے آفس میں لے جا کر قالین پر چھوڑا اور پھر وہ اس کی میز کی دراز کی جانب بڑھ گیا۔ آندرے بے چارے میں اپنا دفاع کرنے یا کسی بھی قسم کی مزاحمت کرنے کی ہمت باقی نہیں بچی تھی۔ نقاب پوش نے دراز کھول کر پہلے اس میں سے آندرے کی پرسنل ڈائری نکالی اور اسے میز پر رکھ دیا۔ بعدازاں اس نے اس میں سے ایک سرخ رنگ کی کاپی نکالی جسے کھول کر وہ قہقہہ لگا کر ہنس کر پڑا۔ اس میں الجبرا کے فارمولے اور الجبرا سے متعلق اشکال بنی ہوئیں تھیں۔ پھر وہ کاپی اٹھا کر آندرے کے پاس آیا اور کاپی کو دیکھ کر آندرے کی حالت مزید خراب ہوگئی اس نے انتہائی بے بسی سے سر کو ہلانا شروع کر دیا۔ اس کی زندگی کی کل محنت اس کاپی میں تھی اور وہ کاپی اسے اپنی جان سے بھی زیادہ پیاری تھی۔ وہ بری طرح سے کراہ رہا تھا اور اب تو اس نے باقاعدہ رونا شروع کر دیا تھا۔

"تم ریاضی دان اور تمہاری یہ ریاضی ۔۔۔۔۔۔۔۔۔ میری جوتی ۔۔" سیاہ نقاب پوش نے کاپی پر

حقارت سے تھوکتے ہوئے جیب سے لائٹر نکال کر اسے آگ لگانا شروع کر دی۔ دیکھتے ہی دیکھتے شعلے بلند ہوتے گئے اور پھر نقاب پوش نے قہقہے لگا کر اسے مکمل طور پر نذر آتش کیا۔ وہی شعلوں بھری کاپی اس نے آندرے کے پیٹ پر رکھی اور اسے اپنے فوجی بوٹوں سے بے دردی پیٹنا شروع کر دیا۔ آندرے کی کربناک چیخوں سے کمرہ گونج اٹھا۔ کمرہ چونکہ ساؤنڈ پروف تھا اس لئے بیرونی دنیا سے کسی بھی قسم کی مدد کی کوئی امید نہیں تھی۔ جب آگ بجھ گئی اور تمام کاپی راکھ کا ڈھیر بن گئی تو اس نے نیچے جھک کر سفاکی سے اس کا گلا دبا دیا۔ پھر اس نے پاس ہی موجود ایک الماری کھولی اور اس میں سے ایک بڑا سیاہ بیگ نکال لیا۔ اسکی زپ کھولی تو اس میں سے کچھ کاغذات کا پلندہ برآمد ہوا جو اس نے نکال کر باہر رکھا اور پھر آندرے کی لاش کو اس نے بیگ کے اندر رکھ کر اسے بند کیا اور کمرے کا پچھلا خفیہ دروازہ کھولتا ہوا وہ باہر نکل گیا۔



دھماکے نے کچھ دیر انکو یوں ہی اپنے سحر میں جکڑے رکھا پھر وہ سب ایک ایک کر کے بڑھتے ہوئے جوں ہی دوسری راہداری میں داخل ہوئے ایک گولی سنسناتی ہوئی حمید کے کان سے گزرتی ہوئی ایک دیوار میں جا گھسی جس سے بننے والے نشان سے دیوار کا پلاسٹر زمین پر گر گیا۔ سب لوگ ایک دم سے کودتے ہوئے اپنی سابقہ راہداری میں آ گئے۔ کچھ دیر بعد آ گورا نے آگے بڑھ کر ہلکا سا راہداری میں جانکا تو ایک اور گولی مخالف سمت مگر چھت کی طرف سے سنسناتی ہوئی اسکے پاس سے گزر گئی۔ تھوڑا غور کرنے کے بعد محسوس ہوا کہ گولی راہداری میں موجود ایک روشندان سے فائر ہوئی۔ اس کا مطلب تھا کہ وہ لوگ جو کوئی بھی تھے قلعے کی چھت تک پہنچ گئے تھے۔ حمید نے پیچھے مڑ کر آ گورا اور سامبا کو

اشاروں ہی اشاروں میں کچھ سمجھایا تو دونوں نے اس کی بات میں سر ہلا دیا مگر ساما نے حمید کے ساتھ ہلکی بحث کی کہ اس کے بجائے وہ راہداری میں داخل ہوگا اور حمید اور آ گورا اسے کور کریں گے۔حمید نے تھوڑی بحث کے بعد اسے آگے جانے کی اجازت دے دی۔ دیکھتے ہی دیکھتے ساما تڑپ کر اچھلا اور رول ہوتا ہوا راہداری میں آ گیا۔اس کے ساتھ ہی اس نے اپنی مشین گن سے گولیوں کی بوچھاڑ کرتے ہوئے راہداری میں موجود دو آدمیوں کو ڈھیر کر دیا۔وہ چیخیں مارتے ہوئے بری طرح سے تڑپتے ہوئے زمین پر گر گئے۔اس دوران اس کے پیچھے سے حمید اور آ گورا نے اس کی مخالف سمت راہداری میں اور روشن دان کی طرف اپنی اپنی مشین گنز کا رخ کر کے لاتعداد فائر کئے چھت کی طرف سے ایک انسانی چیخ بلند ہوئی اور پھر وہاں سے فائر ہونا بند ہو گئے۔اس کے ساتھ ہی وہ دونوں بھی اچھل کر راہداری میں آ گئے۔اس عرصے میں ساما راہداری کلیئر کر چکا تھا۔پھر حمید نے ساما کو بلا کر انہیں مزید کچھ سمجھایا تو کچھ دیر بعد آ گورا کی مدد سے ساما کو کندھے پر بٹھا کر چوڑے روشن دان کے اندر داخل کر دیا گیا۔ساما روشن دان کے ذریعے چھت پر پہنچتے ہی غائب ہو گیا، پھر وہ دونوں مخالف سمتوں میں روانہ ہو گئے۔حمید نے ان کو مکمل ہدایات دیکر اپنے سے الگ کیا تا کہ قلعے کا ہر طرف سے دفاع کیا جا سکے۔پھر حمید بڑھتا ہوا راہداری کے اختتام پر پہنچا جہاں سے راہداری بائیں جانب مڑ رہی تھی اس کے پاس پہنچتے ہی حمید نے ہلکا سا جھانک کر دوسری طرف دیکھا تو اسے ایک اور راہداری نظر آئی جسکے اختتام پر دور اس قلعے کا باغ آسمانی بجلی کی چمک سے نظر آیا۔مگر یہ ایک طویل راہداری تھی جسکے دائیں بائیں بہت سے بغیر دروازوں والے کمرے تھے۔اچانک ان دروازوں سے دائیں بائیں دو آدمی نمودار ہوئے جنہوں نے اپنے دونوں ہاتھوں میں دو دو پستول

اٹھائے ہوئے تھے۔ دونوں نے باہر نکلتے ہی حمید پر بے شمار فائر کر دیئے، حمید پھرتی سے سائیڈ پر ہوا اور گولیاں اس کی پشت پر موجود دیوار میں جالگیں اور مسلسل لگتی رہیں۔ گولیوں کے بے شمار نشانات دیوار کے اوپر پڑنے لگے اور اس جگہ کا پلاسٹر اکھڑ اکھڑ کر زمین پر گرنے لگا۔ اب حالت یہ تھی حمید راہداری میں تھا اور اس کے سامنے دوسری راہداری میں دو نامعلوم آدمی بے تحاشہ فائر کرتے ہوئے آگے بڑھ رہے تھے۔ ان آتشی شعلوں کے درمیان جانا اور ان سے کھیلنا خطرے سے خالی نہیں تھا۔ لہذا حمید سکون سے انہیں انکی گولیاں خالی کرنے کا موقعہ دینا چاہتا تھا۔ پھر اچانک وہ لمحہ آیا جب دونوں کے پستول خالی ہو کر کٹک کٹک کرنے لگے، پس حمید نے اسی لمحے سے فائدہ اٹھا کر اپنی مشین گن سے راہدادی میں کودتے ہی اندھادھن فائرنگ کر دی تھی جس سے دونوں اپنے آپ کو فائرنگ کی زد میں آنے سے نہ بچا سکے اور چیخیں مارتے ہوئیں وہیں ڈھیڑ ہو گئے۔ ایکدم سے راہداری میں خاموشی چھا گئی البتہ باہر فائرنگ ہو رہی تھی۔ وہ آرام آرام سے چلتا ہوا آگے بڑھنے لگا اور پھر وہ ان دونوں کی لاشوں کے بالکل پاس آ گیا۔ اس نے ان کی جیبوں سے ایک ایک کر بہت سے میگزین نکال لئے اور ان کی پستولوں کو اپنے قبضے میں لیکر انہیں اپنی اندرونی جیبوں میں ٹھونس کر وہ آگے بڑھنے لگا۔ قدم قدم پر تجسس بڑھتا جا رہا تھا کہ اچانک کوئی کسی کمرے سے راہداری میں نمودار ہو اور پھر وہ حملہ کر دے۔ اس نے آگے بڑھ کر ایک ایک کمرے کو دیکھنا شروع کر دیا، فی الحال تو اسے کوئی وہاں نہ ملا مگر یہ ضروری نہیں تھا کہ وہ باغ کے پاس صحیح سلامت پہنچ جاتا۔ فریدی کے ساتھ رہ رہ کر وہ بھی کبھی خطرہ محسوس کر لیا کرتا تھا اور اب اسے اسی قسم کے خطرہ کا احساس ہو رہا تھا۔ اسے لگ رہا تھا کہ جیسے ابھی اچانک کچھ ہونے والا تھا، مگر کیا؟ اس کا تعین کرنا اس کے لئے مشکل تھا۔ وقت کے کانٹے

آگے بڑھتے جارہے تھے البتہ باہر دیکھ کر لگ رہا تھا کہ بارش اب مدہم ہوگئی تھی، اس کی اب وہ شدت نہیں رہی جو پہلے تھی۔لیکن ایسا کیا تھا جو رہ کر اس کے دل میں کھٹک رہا تھا۔اچانک ایک آدمی راہداری میں ایک کمرے سے نمودار ہوا اور اس نے اس کے کچھ فاصلے پر ہی اپنی جیکٹ کھول کر پھاڑ دی ایک دم سے بھیانک شعلے حمید کی جانب لپکے اسے ایسا لگا جیسے اس کے کان سن ہو گئے ہوں ایک سیٹی کی آواز آئی اور سب کچھ اڑتا ہوا پھیلنے لگا۔وہ آدمی تنکوں کی بکھرتا ہوا فضا میں اڑا چلا جارہا تھا اور اس کے جسم سے بہنا والا خون اور جسم کے چیتھڑے سب دیواروں پر پھیل گئے ،مگر ایک عجیب خاموشی تھی جس نے ہر چیز کو اپنی لپیٹ میں لے لیا۔وہ ایک خاموش قیامت تھی جو حمید کی طرف بڑھ رہی تھی۔۔۔شاید اس کا انجام اسکے قریب تھا۔



فریدی جوں ہی باہر نکلا تو اسے اردگرد دیکھ کر اندازہ ہوا کہ وہ قلعے کی پچھلی سائیڈ پر ہے۔اس وقت صبح کے چھ کا عمل تھا اور دور دور تک واضح نظر آرہا تھا۔گہرے بادل ساری رات برس کر تھک کر اب وقفہ کررہے تھے۔تھوڑا دور نیچے جا کر ایک وسیع میدان تھا جہاں کیچڑ کے ساتھ ساتھ بلیک فورس کے آدمیوں کی بہت سی لاشیں پڑی ہوئیں تھیں اور شاید بہت سے زندہ بھی تھے۔قلعے کی پچھلی دیوار تعمیر ہی نہیں کی گئی تھی اسی طرف گہری ڈھلوان تھی جہاں بہت سی جھاڑیاں، درخت اور انکے نیچے ایک بہت بڑا گہرے نیلے رنگ کا دریا بہتا تھا۔فریدی کے ہاتھ اب بھی کچھ نہیں تھا وہ اوپر نیچے، غیر واضح راستوں پر چلتا ہوا نیچے کی جانب اترنے لگا۔وہ اس کے اپنے آدمی تھے اور اسے ان سے پیار تھا وہ اس کی خاطر ہر جہنم میں بغیر کوئی سوال کیئے کود جاتے تھے،آج انہیں فریدی کی ضرورت تھی اور وہ بہت

بری حالت میں تھے۔دوسری طرف اسے حمید کی فکر بھی ستائے جارہی تھی۔نہ جانے وہ کس حالت میں ہوگا؟اتنے دھماکوں کے بعد وہ زندہ بھی ہوگا کہ نہیں؟ کیا آج سب کھیل ختم ہونے والا تھا؟ کیا قاتل واقعی کامیاب ہوگیا اوراب یہ طوفان پورے ساگالینڈ کواپنی لپیٹ میں لے لے گا۔انہی باتوں میں کھویا وہ آگے بڑھتے گیلی زمین پر پھسلتے مگراپنا توازن برقرار رکھتے ہوئے جب میدان میں آیا تواس کے سامنے بلیک فورس کے جانبازوں کے کٹے ہوئے لاشے جگہ جگہ بکھرے ہوئے نظرآئے اور درمیان میں کسی جگہ آگ بھی لگی ہوئی تھی۔فریدی ایک ایک کے پاس جاکرانکی حالت دیکھنے لگا،اسے ان کی حالت پر بہت ترس آیا۔فریدی اوپر سے جتنا سخت تھا اندر سے اتنا ہی نرم دل واقع ہوا تھا۔اس کا کلیجہ منہ کوآگیا،انکودیکھتے ہوئے وہ ڈھلوان کے بالکل قریب پہنچ کر دوسری طرف کا منظر دیکھنے لگا۔بہت نیچے گہرائی میں ایک خوب صورت دریا انتہائی روانی سے بہہ رہا تھا۔منظر دیکھ روح تازہ ہوجاتی تھی مگر پیچھے لاشوں کودیکھ کراسے بہت برامحسوس ہورہا تھااس کے چہرے پر گہری سنجیدگی چھائی ہوئی تھی اوردل پارہ پارہ تھا۔

دیکھتے ہی دیکھتے دورکہیں سے بہت سے لوگ جدید ترین ہتھیاروں سے لیس ایک قافلے کی صورت میں اچانک نمودار ہوئے اور پھر وہ چلتے ہوئے فریدی کی طرف آنے لگے۔کچھ دیر بعد وہ لوگ چلتے ہوئے اپنے نیچے موجود لاشوں کوروندتے ہوئے فریدی کے سامنے آکر کھڑے ہوگئے۔فریدی بالکل خاموش کھڑا تھا،شاید وہ حرکت کرنا بھول گیا تھا۔یا پھر زمین نے اس کے پیر جکڑ لئے تھے،وہ گہری ٹٹولتی ہوئی نظروں سے ان سب کودیکھنے لگا اور پھر کچھ دیر بعد وہ لوگ درمیان سے بٹ کر دوحصوں میں تقسیم ہوگئے۔انکے پیچھے سے ایک سیاہ نقاب پوش نمودار ہوا اور تیز تیز چلتا ہوا فریدی سے کچھ

فاصلے پر آ کر کھڑا ہو گیا۔ کچھ دیر دونوں ایک دوسرے کو گہری نظروں سے دیکھتے رہے پھر ایک دم اس نے نہ جانے کون سا مخصوص اشارہ کیا تو ایک بہت بڑا جہنم کا دھما کا عین قلعے کی جگہ پر ہوا اور اس کیساتھ ہی قلعے کی مرکزی عمارت کو گہرے شعلے سیاہ دھویں میں لپٹے ہوئے آسمان سے باتیں کرنے لگے۔ قلعے کی عمارت تنکوں میں بکھرتے ہوئے جہنم کے شعلوں میں گھر گئی۔ یہ منظر ابھی چل ہی رہا تھا کہ سیاہ نقاب پوش فریدی کو مخاطب کرتے ہوئے کہنے لگا۔

"مسٹر فریدی تمہارے آنے کی وجہ سے مجھے کھیل میں کچھ ترمیم کرنا پڑی۔۔۔۔۔۔ ورنہ میرے لئے گزارہ کرنا مشکل ہوتا جا رہا تھا۔۔۔۔۔ مسٹر فریدی یوئر گیم از اوور ۔۔۔۔ اوور اینڈ آؤٹ۔۔۔۔۔۔ اب تمہیں جنت میں فرشتوں کے ساتھ جا کر ہی شانتی ملے گی۔۔۔۔۔۔" آن کی آن میں اس نے جیب سے پستول نکالی اور پھر اس نے ٹریگر دبا کر فائر کر دیا۔۔۔۔ وقت تھم گیا تھا گولی جو پلک جھپکنے میں انسان کو موت کے گھاٹ اتار دیتی ہے۔۔۔ اس نے آج اپنی رفتار انتہائی سست کر دی تھی۔۔۔۔ گھڑی کے کانٹے اپنی اصلی چال بھول کر گولی کو پستول سے نکلتے ہوئے دیکھنے لگے۔۔۔۔ آسمان بھی سکتے میں تھا بادل بھی خاموش اور پیچھے پس منظر میں شعلے بھی اپنی پھرتی اور تپش بھلا کر سست ہو گئے تھے۔۔۔۔ لگتا تھا کہ جیسے گرد و نواح کی تمام چیزوں پر سحر طاری ہو گیا ہو اور وہ سب کی سب اس گولی کو تیر کی طرح فریدی کی جانب بڑھتے ہوئے دیکھ رہی تھیں ۔۔۔۔۔۔ پھر وہ گولی اپنی رفتار میں ڈرامائی انداز میں اضافہ کرتی ہوئی حیرت انگیز طور پر فریدی کے ماتھے کو چھید کرتی ہوئی پار نکل گئی۔۔۔۔۔۔ فریدی کے سر سے خون کا فوارا انتہائی سست رفتار میں نکلا اور پھر وہ اچھل کر اڑتا ہوا بلندی سے نیچے کی جانب پوری رفتار سے جانے لگا اور پھر وہ ایک

جھپاکے سے دریا میں گرکراسکی تہہ میں اترتا چلا گیا۔اس کے بعد پانی کی لہریں اچھل کر ادھر ادھرگریں اور دریا کی موجوں نے فریدی کو اپنے دامن میں سمیٹ کر دنیا و مافیا سے ہمیشہ کے لئے بیگانہ کردیا۔



لاشوں کا رقص

عرش سے گرنے والے موتیوں کی روشنی اب ماند پڑ رہی تھی، رفتہ رفتہ بادلوں کا بھی غصہ اور جلال معدوم ہوتا جارہا تھا۔گزشتہ طوفانی رات کروٹیں بدلتی اب پس منظر میں کہیں غائب ہورہی تھی اوراس کی جگہ اب صبح اپنی تمام ترتروتازگی کیساتھ منظر پر ظاہر ہورہی تھی۔قلعے کی فضا بارود کی بو سے اٹی ہوئی تھی اور یہاں پر جنگ کا سا سماں تھا۔سامبا جوں ہی روشندان کے ذریعے چھت پر پہنچا تو ایک گھٹنا پوری قوت سے اس کے منہ پر لگا اوراس کے ساتھ ہی خون کی پچکاری اس کے منہ سے نکلی اور وہ پلٹ دوسری طرف گر گیا۔کوئی پہلے سے ہی اس کے تاک میں بیٹھا تھا کہ جیسے ہی سامبا اوپر آئے تو وہ اس پر حملہ کردے۔پھر وہ تیزی سے چلتا ہوا سامبا کے سر پر پہنچا اور پھر وہ سامبا کو اپنے بوٹ کی مدد سے اس کے منہ پر ٹھوکر لگانا ہی چاہتا تھا کہ سامبا نے اسے اپنے مضبوط ہاتھوں سے روک کر اپنا دفاع کیا۔ بعدازاں اس نے اپنی ٹانگیں سمیٹ کر حملہ آور کے پیٹ میں رسید کیں تو وہ اچھل کر زمین پر جا گرا۔وہ لڑائی زیادہ دیر تک نہ چلی اور پھر اس نے جلد ہی اس پر قابو پالیا۔اسے فارغ کرتے ہی اس نے اپنی مشین گن اٹھائی اور پھر جھکے ہوئے انداز میں وہ گھوم پھر کر چھت کو دیکھنے لگا وہاں پر خون سے نشان بنے ہوئے تھے جیسے کسی کو گھسیٹا گیا ہو۔پھر اسے ایک بڑی سی چٹان کے پیچھے ایک آدمی کی لاش

مل گئی، چھت پر بڑے بڑے کنڈے لگا کر وہ لوگ چڑھے تھے۔ پھر اس نے جھکتے ہوئے چھت کی چار دیواری کے پاس آ کر دوسری طرف دیکھا تو قلعے کے مین گیٹ پر شدید نوعیت کی آگ لگی ہوئی تھی۔ پھر دیکھتے ہی دیکھتے ایک بھیانک آگ میں لپٹا ہوا گولا اڑتا ہوا پلکیں جھپکتے ہی مین گیٹ سے آلگا، ایک بہت بڑا بلاسٹ ہوا اور قلعے کا آہنی دروازہ ایک دھماکے ساتھ آسمان کی طرف اڑتا چلا گیا۔ قلعے کی ہر چیز بری طرح سے لرزنے لگی۔ زمین میں ایک عجیب گڑگڑاہٹ ہونے لگی، ایسا لگتا تھا کہ اب تو واقعی قلعہ گر جائے گا مگر ایسا نہ ہوا وہ زور زور سے جھولتے ہوئے اچانک رک گیا۔ کچھ دیر قلعے کا گیٹ فضا میں رہا اور پھر وہ پوری رفتار سے قلعے کی پچھلی طرف آ کر گرا۔ وہاں پر بھی بلیک فورس اور اس کی مخالف فورس کی شدید نوعیت کی لڑائی ہو رہی تھی اور لگتا تھا کہ بلیک فورس کو مخالف قوت نے بری طرح سے پچھاڑ دیا تھا۔ مگر اب بھی بہت زبردست لڑائی جاری تھی، قلعے کے سامنے بہت سے لوگ اندر آنے لگے اور سامبا نے اپنی مشین گن درست کی اور پھر اس نے باہر سے آنے والے سب لوگوں کو نشانے پر لے لیا۔ بندے تھے کے وہ کیڑے مکوڑوں کی طرح مچلتے ہوئے گر رہے تھے۔ ہر طرف لاشوں کا رقص اپنے عروج پر تھا اور سامبا کی مشین گن سے نکلنے والے آتشی قہقہوں کے شور نے پورے ماحول کو اپنے سحر میں جکڑا ہوا تھا۔



رشیدہ جوں ہی ریلوے اسٹیشن پہنچی تو اس کے ملازمین بارش میں چھتریاں لیئے بھاگتے ہوئے اس کے استقبال کے لئے پہنچے اور پھر ان سب نے مل کر اسے سلام کیا اور رشیدہ ایک کیمرہ گلے میں لٹکاتے ہوئے نیچے اتری اور پھر اس نے گاڑی بند کی۔ وہ سب ایک چھوٹے سے جلوس کی صورت

میں زینے چڑھتے ہوئے ریلوے کی مرکزی عمارت میں داخل ہوئے ہی تھے کہ اسٹیشن ماسٹر خود نکل کر اس کا استقبال کرنے کے لئے آ گیا تھا۔ پتہ نہیں یہ مہان سنگھ کے فون کا اثر تھا یا مجرم کی معاونت کے بعد اب پکڑے جانے کے خوف کی وجہ سے بھاگ دوڑ ہو رہی تھی۔ ان کا تو بس نہیں چل رہا تھا کہ وہ رشیدہ کو ریلوے اسٹیشن کی پارکنگ سے ہی کندھوں پر بٹھا کر لاتے، شاید اگر وہ صنف نازک نہ ہوتی تو وہ ایسا کر بھی لیتے۔ مگر ابھی وہ جو کچھ کر رہے تھے، وہ بالکل اس سے مختلف نہیں تھا۔ رشیدہ کو اسٹیشن ماسٹر کے بے حد اصرار پر اس کے آفس میں اس کے ساتھ بیٹھ کر زبردستی چائے پینی پڑی ورنہ آفر تو کینڈل لائٹ ڈنر کی تھی۔ کینڈل لائٹ اس لئے کہ ریلوے اسٹیشن کی عمارت بہت پرانی تھی اس لئے اس کا بجلی کا سارا نظام بھی بوسیدہ ہو گیا تھا۔ شدید بارش کی وجہ سے عمارت جگہ جگہ سے ٹپکنے لگتی تھی اور پھر بجلی غائب ہو جاتی تھی جس کی وجہ سب سے لوگ ہی کینڈل لائٹ ڈنر کرتے تھے۔ کئی دفعہ سرکار نے انہیں خصوصی گرانٹ بھی دی تھی کہ وہ لوگ اپنی وائرنگ کا نیا نظام وضع کریں اور اس کے ساتھ ساتھ عمارت کی نئے سرے تعمیر بھی کریں مگر وہ سارے پیسے لوٹ مار میں ضائع ہو جاتے تھے۔ پورا عملہ ہی کرپٹ تھا، کئی بار انکے حوالے سے خبریں بھی بریک ہوئیں مگر وہ اپنی عادات سے باز نہ آئے یہاں تک کہ سرکار نے ملازمین کو نکالنے کا بھی فیصلہ کیا مگر وہ اتنے طاقت ور تھے کہ گذشتہ تین دہائیوں سے اپنی نوکریوں پر سانپ کی طرح کنڈلی مارے بیٹھے تھے۔ مگر ان سے کسی کی جرات نہیں ہوئی تھی کہ کوئی سوال بھی کر لے۔ اسٹیشن ماسٹر جسوال ادھیڑ عمر تھا اور چہرے سے ہی مکار اور لالچی لگتا تھا۔ اس کا نام کئی بار میڈیا کی خبروں کی زینت بنا تھا مگر وہ ڈھیٹ اتنا تھا کہ اپنے عہدے سے ہٹتا ہی نہیں تھا۔ بلکہ وہ اپنے دوستوں کی محفلوں میں اکثر کہا کرتا تھا کہ "عزت آنی جانی چیز ہوتی ہے بس بندہ ڈھیٹ

ہونا چاہیے، اب ان دو ٹکے کے میڈیا والوں کی خاطر کیا میں اپنی اتنی بڑی نوکوی کوٹھوکر لگا دوں۔ میری بلا سے کرتے رہیں جوان کا من کرے، سنا ہے آج کل میرے اوپر بڑے مضامین بھی لکھے جا رہے ہیں۔آخر کل کو ان میڈیا والوں نے کبھی نہ کبھی ٹرین پر ہی سفر کرنا ہے میرے محتاج ہی رہیں گے۔۔۔۔"

خیر مجبوراًرشیدہ نے اس کے بے حد اصرار پر چائے پی ورنہ جسوال کے بارے میں وہ خوب جانتی تھی اوراسی وجہ سے وہ اسے زیادہ منہ نہیں لگا نا چاہتی تھی مگر کیا کرتی کڑوا گھونٹ پی کر اسے وہ سب برداشت کرنا پڑا۔ایک تو اسے جسوال کی شکل زہر لگ رہی تھی دوسرا چائے تو حلق سے اترنے کا نام ہی نہیں لے رہی تھی۔اس کا بس چلتا تو وہ اس کے منہ پر چائے انڈیل دیتی مگر آداب محفل کا خیال رکھتے ہوئے اسے اپنا ہاتھ روکنا پڑا۔اسے اپنی اتنی آؤ بھگت دیکھ کر یہ بھی لگ رہا تھا کہ ضرور دال میں کچھ کالا ہوگا، عین ممکن تھا کہ پوری دال ہی کالی ہو۔آخر وہ سب کیا چاہتے تھے؟ اگر وہ لوگ قاتل کے اس جرم میں شریک تھے تو ان سب کو انکے کیئے کی سزا ملنی چاہیے تھی۔رشیدہ کے دل کے کسی گوشے میں قاتلوں اوران کے معاونین کی رتی برابر بھی ہمدردی نہیں تھی۔ وہ چاہتی تو خود اپنے ہاتھوں سے ان سب کو ٹانگ دیتی کیونکہ قاتل نے جس وحشیانہ انداز میں لوگوں کو قتل کیا تھا اسکے بعد تو قاتل سمیت اس کے کسی معاون کے ساتھ ہمدردی رکھنا جرم کرنے کے مترادف تھا۔مگر اس بات کا تعین کیسے ہو کہ ریلوے اسٹیشن کا عملہ بھی قاتل کے ساتھ ملا ہوا تھا۔اس کے لئے ضروری تھا کہ اس بوگی میں جا کر خود اس کے واش روم کا تجزیہ کیا جاتا تب جا کر صورت حال واضح ہوتی ۔پھر اس نے فیصلہ کیا کہ وہ جا کر پہلے بوگی دیکھے گی پھر انہیں اپنے سخت سوالات کے ساتھ کریدے گی تا کہ وہ اس قابل ہو سکے

کہ پردے کے پیچھے چھپی ہوئی اصلی تصویر کھول کر سامنے لاسکے۔ اگر اس میں ریلوے کا عملہ شامل ہوا تو وہ اپنی گرفتاری پر شدید مزاحمت کرے گا اور یہ بھی ممکن تھا کہ وہ پورا تعاون ہی نہ کرتے لہذا اس نے سوچا کہ اگر ایسی نوبت آئی تو عملے کو یہی تاثر دے گی کہ سب اچھا ہے اور پھر وہ پوری رپورٹ کرنل فریدی کو جا کر دے دے گی۔ اسے یہ معلوم تھا کہ اس کیس پر بلیک فورس پہلے سے ہی کام کر رہی تھی ۔مگر وہ اپنا تجسس مٹانے کے لئے انور کی طرح خود ہی میدان میں آ گئی تھی ۔تا کہ ایک تیر سے تین شکار ہوں ایک تو اس کا تجسس مٹ جائے، دوسرا کرنل فریدی کی مدد ہو جائے اور تیسرا قاتل بے نقاب ہو جائے۔ یہ بھی ہو سکتا تھا کہ کرنل فریدی کو اس کی یہ حرکت بری لگتی، مگر اس نے کرنل فریدی کا غصہ برداشت کرنے کا ریسک لیتے ہوئے انہیں اپنی کارکردگی دیکھانے کا فیصلہ کیا۔ یہ جو گاڑی وہ چلا رہی تھی، وہ انور کی تھی جو اس نے کرنل فریدی سے لی تھی۔ اس سے قبل بھی انور کرنل فریدی کی کئی بار مختلف کیسوں میں مدد کرتا رہا تھا جس میں خود رشیدہ نے اس کی بہت مدد کی تھی۔ اسی وجہ سے انور کو کرنل فریدی کی یہ گاڑی سرکاری طور پر ملی ہوئی تھی۔

پھر چائے کے دوران رشیدہ نے اسٹیشن ماسٹر سے کہا۔

"سر جسوال کیا میں وہ بوگی دیکھ سکتی ہوں جس میں سے وہ تابوت اور لاش ملی؟"

"ہاں ہاں کیوں نہیں۔۔۔۔۔۔وہ تو مہان سنگھ صاحب نے اسی دن ہی سیل کر دی تھی۔ پھر ہم نے اسے مین ٹریک سے اتار کر ایک سائیڈ ٹریک پر ڈال کر ریزرو روم میں لے گئے تھے۔ جہاں ہماری دیگر بوگیاں اور اینجن وغیر کھڑے کیئے جاتے ہیں۔ اس کی سیل اب تک لگی ہوئی ہے اور ہم نے اسے نہیں چھیڑا۔ اب آپ کے سامنے اسے کھولا جائے گا، امید ہے آپکو ہماری حفاظت سے تسلی ہوگی۔ ہم

خاص طور پر اپنی بوگیوں کا خیال رکھتے ہیں، انہیں بارش، اندھی، طوفان غرض کچھ بھی ہوا سے ہم اپنے ریزرو روم میں رکھتے ہیں تا کہ وہ موسمی آفات سے محفوظ رہیں۔"

"یہ تو آپ نے بہت اچھا کیا، ایسا ہی ہونا چاہیے۔۔۔۔ویسے کیا آپ نے اپنے محکمے کے اندر بھی کسی قسم کی تفتیش کروائی ہے؟ اگر ہاں تو پھر اس کا نتیجہ کیا نکلا؟۔۔۔۔"

"جی آپ نے بہت اچھا سوال کیا، اس سوال پر میں آپ کا بہت مشکور ہوں اور میں آپ کو بتا تا چلوں کہ ہم نے بالکل تفتیش کروائی ہے۔ کیونکہ ہم اپنے ادارے پر کسی قسم کا کوئی دھبہ برداشت نہیں کر سکتے۔ہم لوگ بہت پروفیشنل ہیں اور عرصہ دراز سے ریلوے کے شعبے سے وابستہ ہیں۔ ہمارے تمام افسران انتہائی قابل، فرض شناس اور ادارے سے پیار کرنے والے ہیں۔ وہ سب لوگ معاملے کی سنگینی کو خوب اچھی طرح سمجھتے ہیں۔ اس بوگی کے واش روم سے تابوت میں لاش ملنے کے بعد ہم نے باقاعدہ اپنے سینئر افسران کے ساتھ ملکر میٹنگ رکھی جس میں یہ طے پایا کہ جو بھی قاتل کا معاون ثابت ہوا ہم لوگ سرکار سے کہہ کر فوری طور پر اسے اس کی نوکری سے نکلوا کر اس کے اوپر کیس چلانے کی سفارش کریں گے۔ آپ یقین کریں میں اپنے بھگوان کی سوگند کھا کر کہتا ہوں کہ ریلوے کا سب عملہ ہمارے فیصلے سے بہت خوش تھا اور انہوں نے ہم سے وعدہ کیا کہ وہ لوگ مکمل تعاون کریں گے۔ پھر ہم نے چند اہم سینئر افسران کی نگرانی میں ایک تین رکنی کمیٹی بنادی۔ انہوں نے آج دو بجے ہی مجھے رپورٹ دی ہے کہ بھگوان کی کرپا سے ادارے کا کوئی فرد بھی اس میں ملوث نہیں ہے۔ میں یہ بات بڑے فخر سے کہنا چاہتا ہوں کہ ہمارے ہاتھ بالکل صاف ہیں اور آپ نے یہ بات یہاں آ کر محسوس بھی کی ہوگی کہ ہم لوگ کتنے مستعد ہیں۔۔۔۔" جسوال نے زہریلی مسکراہٹ کے ساتھ رشیدہ کی

بات کا جواب دیا۔اس دوران وہ اپنی چائے مکمل کر کے کپ واپس ٹرے میں رکھ چکی تھی۔جسوال کی بات ختم ہوتے ہی وہ اٹھ کر کھڑی ہوگئی۔

"جی جی بالکل یہ بات تو میں نے بھی محسوس کی ہے کہ آپ کا ادارہ بہت محنتی ہے،باقی میڈیا والوں نے تو ایسے ہی باتیں بنائی ہوہیں۔ ان کا تو کام ہی یہی ہے میں سمجھ سکتی ہوں۔۔۔اب کیا ہم چلیں۔۔۔"

"بس جی آپ کا بہت بہت شکریہ آپ نے ہماری اس قدر تعریف کی ،میں تو پہلے سے ہی جانتا تھا کہ آپ ایک ایماندار افسر ہیں اور جہاں کرنل صاحب کا نام آجائے پھر وہاں بات ہی ختم ہوجاتی ہے۔ ان کا انتخاب تو یقیناً سب سے شاہکار ہے، مجھے آپ کے یہاں آنے سے بہت خوشی ہوئی۔آپ نے ریلوے اسٹیشن آکر چار چاند لگا دیئے، میں آپ کے آنے سے پہلے آپ ہی کے بارے میں اپنے ماتحتوں سے کہہ رہا تھا کہ کرنل صاحب کی طرف سے آنے والی مس بہت قابل ہونگی اور ہمیں انکے استقبال میں کسی قسم کی کوئی کمی نہیں چھوڑنی چاہیے۔آپ نے پھر دیکھا ہوا بھی ویسا ہی۔۔۔۔۔اور ہاں کیوں نہیں میں آپ کو وہ بوگی دیکھاتا ہوں، اب وہ سیل آپ کی نگرانی میں توڑی جائے گی۔" پھر وہ دونوں چلتے ہوئے کمرے سے باہر سے نکل گئے، وہاں سے نکلتے وہ زینوں کی جانب بڑھ گئے،ان کی مدد سے وہ لوگ ٹرین کے تین ٹریک کراس کر کے دوسری جانب ایک اور پلیٹ فارم پر پہنچ جاتے۔ایک آدمی نے جلدی سے آکر دو چھتریاں رشیدہ اور جسوال کو دیں اور پھر وہ دونوں دیگر افسران کے ساتھ ملکر زینے چڑھنے لگے۔کچھ دیر کے بعد وہ لوگ دوسرے پلیٹ فارم پر پہنچ گئے بارش اپنے پورے جوبن پر تھی۔وہاں سے وہ لوگ دوٹک شاپس کے درمیان سے ہوتے ہوئے دوسری جانب

پہنچے اور پھر ایک کمرے کے سامنے آ کر کھڑے ہو گئے۔اس کا تالہ کھول کر وہ جوں ہی اندر آئے تو اب وہ ایک بڑے ہال نما کمرے میں داخل ہو رہے تھے۔ جہاں بہت سے ٹریکس پر بوگیاں اور انجن کھڑے ہوئے تھے، جبکہ ایک جانب ایک بڑا سا مین گیٹ تھا جو فی الحال بند تھا جسے کھول کر بوگیوں کو انجن کی مدد سے باہر لے جایا جاتا تھا۔سب سے الگ تھلگ ٹریک پر وہ بوگی موجود تھی جس کی تلاش میں رشیدہ نے یہ سارا چکر چلایا تھا۔سب اسے بوگی کے پاس لے گئے، پھر اس کی موجودگی میں بوگی کے دروازے پر سیل اتاری گئی اور پھر وہ دروازہ کھول کر ایک ایک کر کے بوگی میں داخل ہوئے۔ پھر واش روم کی سیل بھی کھولی گئی تو رشیدہ واش روم کے اندر داخل ہوئی اور پھر اس نے اپنی گہری نظروں سے چاروں طرف واش روم کو دیکھا جہاں سے تابوت برآمد ہوا تھا وہاں پر ایک چاک کی مدد سے تابوت کا نشان بنا ہوا تھا۔نہایت غور سے دیکھ بھال کر جب اس کی نظر روشن دان کی جالی پر پڑی تو وہ چونک گئی۔اس نے اپنے کیمرے سے اس کی مختلف زاویوں سے تصویریں اتاریں اور پھر وہ بوگی سے اتر کر جوں ہی دوسری طرف واش روم والی سائیڈ پر آئی تو اس کی آنکھوں میں اس بار گہری چمک تھی۔لگتا تھا کہ جیسے اس نے ایک اہم نکتہ پالیا ہو۔پھر اس نے ریلوے کے عملے سے چند اہم سوالات کیئے تو اس کی آنکھوں کی چمک مزید گہری ہوتی چلی گئی۔اس کے بعد اس نے باہر سے بھی چند تصاویر لیں اور پھر وہ وہاں سے رخصت ہو کر ریلوے کی پارکنگ میں آ گئی۔



مغل آباد میں کرنل فریدی کے منظر پر آنے کی وجہ سے قاتل کی جانب سے تابوت میں آنے والی لاشوں کا سلسلہ حیرت انگیز طور پر ایک دم سے رک گیا تھا۔میڈیا پر کرنل فریدی کی بلیک فورس کی بہت

تعریف ہورہی تھی۔مگر کرنل فریدی اب بھی قاتل کو پکڑنے میں ناکام رہا تھا،لیکن ہرطرف سکون تھا شہری آزادی سے باہر گھوم پھر رہے تھے۔لیکن یہ سکون کب تک ممکن تھا؟ کیا یہ سب کچھ وقتی تھا اگر نہیں تو قاتل کواب تک گرفتار کر کے میڈیا کے سامنے پیش کیوں نہیں کیا گیا۔آخرشہری کب تک قاتل کے پکڑے جانے کی خوشخبری سن سکیں گے؟ میڈیا کوکوئی خبرنہیں مل رہی تھی،کئی دفعہ کرنل فریدی سے ون آن ون انٹرویو کی بھی فرمائش کی گئی تھی مگر کرنل فریدی کی طرف سے کوئی مثبت جواب نہیں مل رہا تھا۔حکومتی سطح پر بھی اس حوالے سے مکمل خاموشی چھائی ہوئی تھی۔کہیں یہ پراسرار خاموشی کسی بہت ہی بڑے طوفان کی طرف اشارہ تونہیں کررہی؟ آخر قاتل کہاں ہے؟ کیا وہ سچ میں کرنل فریدی کے آنے سے وقتی طور پر ڈرتونہیں گیا۔میڈیا پرآنے والے تمام کرائم رپورٹرز کے پاس بھی اندر کی کوئی خاص خبر نہیں تھی اورتمام چینلز کوسکون بھی نہیں آرہا تھا،وہ کوئی نہ کوئی ایسا ہنگامہ چاہتے تھے کہ ان کی دال گلتی رہے۔خبر نہ ہوتو پھرخبر بنانی پڑتی ہے اور جب خبر بنائی جاتی ہے پھراس میں مصالہ بھی ڈالا جاتا ہے تا کہ لوگوں کواپنی جانب متوجہ کیا جاسکے۔میڈیا نے بھی ایسا ہی کیا انہوں نے کیپٹن حمید کے اغوا کی خبر شہ سرخیوں میں چلادی اورنہ صرف یہ بلکہ وہ توایک قدم اورآگے بڑھ گئے انہوں نے یہاں تک کہہ دیا کہ کرنل فریدی اورقاتل کے درمیان ایک خاموش ڈیل ہورہی ہے۔وہ خاموش اورخفیہ ڈیل کیا ہوسکتی ہے؟ کیا ساگالینڈ کے مفادات کے خلاف کوئی کام تونہیں ہورہا؟اس خبرکواٹھا کر میڈیا نے وہ طوفان برپا کیا کہ مجبوراً بلیک فورس کے چند خصوصی نمائندوں کومیڈیا پرآکرفون کے ذریعے اس کی باقاعدہ تردید کرنا پڑی۔مگرتب بھی بات نہ بنی میڈیا والوں نے فریدی اورحمید سے ایک ساتھ پریس کانفرنس کرنے کا مطالبہ کردیا۔کیونکہ اگرحمید واقعی اغوانہیں ہوا تو ان دونوں کومیڈیا پرایک ساتھ آنے سے

گریز نہیں کرنا چاہیے۔میڈیا نے پل میں تولہ اور پل میں ماشہ کے مصداق کرنل فریدی کے خلاف باقاعدہ ایک مہم شروع کر دی۔اس کی کردار کشی میں سب ہی چینل پیش پیش تھے۔اس کو فوری کنٹرول کرنا ضروری تھا لہذا بلیک فورس کے میڈیا ڈیپارٹمنٹ کی جانب سے آج شام دونوں کی مشترکہ پریس کانفرنس کرنے کا اعلان کرنا پڑا۔



حمید کے لاشعور میں ایک نکتہ ابھرا جو بعد میں رفتہ رفتہ ایک ستارے کی شکل اختیار کر گیا۔بعدازاں وہ ستارہ ایک بہت بڑی روشنی میں تبدیل ہو گیا۔روشنی تیز ہوتی گئی اور بالآخر حمید کے دماغ کو چاٹنے لگی۔پھر وہ روشنی آہستہ آہستہ پھیکی پڑنے لگی اور پھر وہ وقت آیا جب حمید کا دماغ ایک بار پھر سونے لگا۔مگر ایک دم سے اس کے دماغ کی اسکرین پر ایک چہرہ نمودار ہوا جو بہت دھندلا تھا۔وہ اسے چاہ کر بھی نہ پہچان سکا اسکے ساتھ ہی کسی چیز کا شور اس کے کانوں کے پردوں کو پھاڑنے لگا۔شور بھی غیر واضح تھا ایسا معلوم ہوتا تھا کہ جیسے بہت سے لوگ ایک ساتھ باتیں کر رہے ہوں۔پھر ان کے قہقہوں کی آوازیں بھی آنے لگیں،مگر حمید کا شعور ابھی تک پوری طرح بیدار نہیں ہوا تھا۔جو چہرہ نمودار ہوا تھا وہ اب بھی غیر واضح تھا۔اس نے پاس آ کر اس کا ہاتھ تھاما اور وہ اسے ایک ریگستان میں لے آیا۔دور دور تک صحرا ہی صحرا تھا اور کسی بھی آبادی یا پانی کا نام ونشان تک نہیں تھا۔حمید حیرت سے کبھی اس دھندلے چہرے کو دیکھتا اور کبھی اپنے اردگرد پھیلے صحرا کی جانب۔اسے کچھ سمجھ نہیں آ رہی تھی کہ وہ کہاں ہے اور یہ سب کچھ اس کے ساتھ کیا ہوا رہا ہے؟ وہ اونچی اونچی آواز میں باتیں کرنے والے لوگ کہاں گئے اور انکے قہقہے؟ وہ کس دنیا میں آ گیا ہے اب آہستہ آہستہ اس کا دماغ دکھنے لگا۔سوچ سوچ

کر کوئی بات اسکے پلے نہیں پڑھ رہی تھی۔وہ جتنا سوچتا تھا اتنا ہی الجھتا چلا جاتا تھا۔پھر اس نے اپنی گردن گھما کر جب اس چہرے کی جانب دیکھا جس نے اس کا ہاتھ تھام رکھا تھا تو وہ کون تھا ابھی تک واضح نہیں ہو سکا تھا۔بس اسے اس بات کا احساس تھا کہ کوئی ہے جو اس کے ہاتھ کو چھو رہا ہے اور وہ اس کے بہت قریب ہے۔مگر کون ہے؟اس راز سے پردہ اٹھنا ابھی باقی تھا۔اس کے وجود میں عجیب سی سردی کی لہر عود آئی۔اس کا بدن تھر تھر کانپنے لگا،اسکے دانت بجنے لگے۔اسے صحیح معنوں میں سردی کا احساس ہو رہا تھا،مگر وہ تو کسی بہت ہی بڑے صحرا میں موجود تھا پھر اسے سردی کیسے لگ رہی تھی؟کہیں وہ خواب تو نہیں تھا جس نے اسے سرتاپا اپنے سحر میں جکڑا ہوا تھا۔وہ نہ چاہتے ہوئے بھی پتہ نہیں کیسے سب کچھ دیکھنے اور محسوس کرنے پر مجبور ہو گیا تھا۔آہستہ آہستہ وہ چہرہ واضح ہوتا گیا اور پھر اس کے ہونٹ ہلنے لگے۔اسکا چہرہ واضح ہونے کے باوجود بھی حمید اسے پہچان نہ سکا،کسی بہت بڑے حادثے نے اس کا شعور چھین لیا تھا۔وہ حمید سے کچھ کہہ رہا تھا مگر حمید کو اس کا کہا کچھ بھی سمجھ نہیں آ رہا تھا۔آواز بہت دور سے آ رہی تھی،حمید نے بڑی کوشش کی مگر کوئی لفظ اس کے پلے نہیں پڑ رہا تھا۔شاید وہ اب اپنی مادری زبان بھی بھول گیا تھا،جو کسی بھی لحاظ سے اچھی بات نہیں تھا۔وہ عجیب طلسم میں کھو گیا تھا پیاس سے اس کا حلق خشک ہو رہا تھا مگر جسم تھا کہ سردی سے تھر تھر کانپ رہا تھا۔آج تک اسے اس قسم کے احساسات سے پالا نہیں پڑا تھا،بہت دیر تک وہ اندر ہی اندر اپنے آپ کو سمیٹتا رہا،کوشش کرتا رہا کہ وہ اپنے ماحول کو سمجھ سکے۔اس نے اپنی آنکھیں بند کر لیں اور پھر اپنے رب کو یاد کرتے ہی اسکی آنکھوں سے آنسو بہنے لگے۔۔۔۔عجیب منظر تھا،حمید اسے اپنے کسی گناہ سے تعبیر کر کے رو رہا تھا اور صحرا اسکی بے بسی پر ہنس رہا تھا بلکہ اسے چڑا رہا تھا۔۔۔۔اچانک اس کے

ذہن کے کسی گوشے میں شعور کی رمق بیدار ہوئی اور پھر اسکے ذہن میں ایک روشنی چمکی تو اس نے آنکھیں کھول دیں ۔فریدی اس کے پہلو میں اس کا ہاتھ تھامے کھڑا تھا، وہ فریدی کے ہی ہاتھ کا احساس تھا جو اسے اب محسوس ہو رہا تھا۔اس نے پھر فریدی کو کچھ کہتے ہوئے سنا۔۔۔

"دیکھو حمید میں نہیں چاہتا کہ تم وقت سے پہلے ڈگمگا جاؤ، میں کسی بہت بڑے طوفان کو آتے ہوئے دیکھ رہا ہوں۔ مجھے اس بات کا شدید خدشہ ہے کہ کہیں اس طوفان کی تباہی سے پورا سا گالینڈ نہ متاثر ہو جائے۔ بلکہ مجھے تو اس کا دائرہ کار اور وسیع ہوتا ہوا لگ رہا ہے۔ مجھے تم پر پورا بھروسہ ہے کہ تم ثابت قدم رہو گے۔حالات کا دھارا بہت بے رحم ہونے جا رہا ہے۔قاتل اپنی نفرت اور جنون میں بہہ کر ہر حد پار کر سکتا ہے۔اس لئے تم اپنے اعصاب پر مکمل قابو رکھنا، اپنے صبر کے دامن کو کسی طور ہاتھ سے چھوٹنے نہ دینا۔یاد رکھو برائی جتنی بھی مضبوط اور طاقت ور کیوں نہ ہو آخری فتح ہمیشہ سچائی کی ہوتی ہے۔۔۔"فریدی نے انتہائی پر اسرار لہجے میں حمید کو سمجھاتے ہوئے کہا اور اس کی باتوں کا اثر صحرا کی فضاؤں میں معلق ہو گیا۔حمید نے سر ہلاتے ہوئے اپنی پلکیں جھپکائی ہی تھیں کہ اگلے منظر میں فریدی غائب ہو گیا۔اس نے چاروں طرف مڑ کر دیکھا تو فریدی کہیں نہیں تھا البتہ ہر طرف خاموش ریت ہی ریت تھی۔۔۔۔پھر اچانک دور کہیں سے اسے آگورا کی آواز آئی۔۔۔

"حمید صاحب پلیز آنکھیں کھولیں۔۔۔۔۔ہمیں اپنا کیس بھی نپٹانا ہے۔۔۔۔۔"حمید نے پھر آہستہ آہستہ آنکھیں کھولیں تو وہ اس وقت اپنے بیڈروم میں تھا اور اسکے سر کے اوپر قاسم آگورا اور سامبا موجود تھے۔وہ بالکل صحیح سلامت تھا بس اسے غنودگی چھائی ہوئی تھی یہ سب خدا کا فضل تھا۔بے شک زندگی موت اس کے ہاتھ میں ہے۔آنکھیں کھلتے ہی اس نے اپنے رب کا بہت شکر ادا کیا اور وہ پھر

اٹھ کر بیٹھ گیا۔



"تم دونوں نے اپنے سابقہ باس کو تو دیکھا ہوگا ؟ کیا تم لوگ اس کا خاکہ بنوا سکتے ہو؟" حمید نے آ گورا اور سامبا سے کہا، ان کے ساتھ قاسم بھی منہ پر انگلی رکھے موجود تھا اور وہ لوگ اس وقت کوٹھی کے انوسٹی گیشن روم میں موجود تھے۔ کمرے کی دیوار پر ایک جہازی سائز کے بورڈ کے اوپر اس کیس کے حوالے سے بہت سی تصاویر چھوٹی پنوں کی مدد سے لگی ہوئی تھیں۔ ایک درمیانے سائز کی میز کے ایک طرف آ گورا اور سامبا بیٹھے ہوئے تھے۔ جبکہ انکے مخالف حمید اور قاسم موجود تھے، قاسم کو خاص طور پر حمید کی طرف سے ہداہات دی گئیں تھیں کہ وہ فضول گفتگو سے پرہیز کرے اس لئے اس نے منہ پر انگلی رکھی ہوئی تھی۔

" آپ یقین کریں حمید صاحب ہم نے آج تک اس کی شکل نہیں دیکھی جس وقت ہم اسکی غلامی میں آئے تو اس کے چہرے پر نقاب اور ہاتھوں پر دستانے تھے۔ اس نے ہمارے پہلے باس کو فائٹ کے دوران ایک ٹانگ اور دائیں بازو کی کہنی توڑ دی تھی۔ اس کے بعد وہ فارغ ہو گیا، اس کو سوائے لڑنے بھڑنے کے کوئی کام نہیں تھا۔ ہمارے پہلے باس کو غرور بھی بہت تھا، ایک ایک سے پنگے لیتا رہتا تھا اور ان کو فائٹ کا اوپن چیلنج دے دیتا تھا۔ لیکن شاید اسے معلوم نہیں تھا کہ ہر سیر کا سوا سیر بھی ہوتا ہے۔ جب اس کا سیاہ نیولا سے چیلنج ہوا تو اس نے شرائط رکھیں کہ ہمارے پہلے باس کی ہار کے بعد اس کی ساری جائیداد سمیت ہماری غلامی بھی تبدیل ہو جائے گی تو وہ اپنے غرور کے نشے میں چور میدان میں کود گیا۔ پھر اس کی وہ دھلائی ہوئی کہ اس کا آج تک ہم نے عملی مظاہرہ نہیں

دیکھا۔" آگورانے کہا تو قاسم نے ایک پل کے لئے منہ سے انگلی ہٹا کر اپنی زبان چلانے کا سوچا ہی تھا کہ پھر ایک دم سے اسے حمید کی ہدایات یاد آ گئیں تو پھر اس نے دوبارہ منہ پر انگلی رکھ لی۔

" کوئی خاص بات بتاؤ جس سے سیاہ نیولا کی پہچان ہو سکے، کوئی بولنے کا اسٹائل، کوئی چلنے پھرنے کا انداز وغیرہ۔۔۔۔"اس سے قبل کے وہ حمید کی بات کا جواب دیتا کمرے میں انور ایک آدمی کو اٹھائے اندر داخل ہوا اس کے ساتھ چند نقاب پوش بھی تھے انکے آتے ہی آگورا اور سامبا اٹھ کر ایک سائیڈ پر ہو گئے تو انور نے اسے انکی جگہ پر لے جا کر بٹھا دیا۔اس کی ناک اور منہ کی ڈریسنگ کی ہوئی تھی اور وہ مکمل ہوش میں تھا۔حمید کے پوچھنے پر انور نے بتایا کہ یہ روہت ہے، روہت بینک کا مالک روہت جس نے قاتل کی مدد کی تھی۔اس کے بعد روہت نے روتے ہوئے انتہائی شرمندہ لہجے میں انہیں انتہائی حیران کن تفصیلات بتائیں کہ اس نے کس طرح مجبور ہو کر یہ سب کچھ کیا جسے سننے کے بعد حمید اٹھا اور اس نے کہا" تم نے چونکے ہماری مدد کی ہے اور تم ہمارے کام آئے ہو۔اس کے علاوہ قاتل نے تمہیں استعمال کیا اور تم مجبور تھے لہذا تم وعدہ معاف گواہ ہو گے۔مگر فل الحال تمہیں بلیک فورس کے زیرِ نگرانی رہنا ہوگا۔۔ویل ڈن انور تم نے واقعی ایک بار پھر قانون کی مدد کی ہے میں تمہارا بے حد مشکور ہوں۔۔۔۔"یہ کہتے ہی وہ وہاں سے نکل گیا۔



شام کے ساڑھے پانچ کا عمل تھا اور بلیک فورس کے میڈیا ڈیپارٹمنٹ میں حمید بلیک فورس کے چند میڈیا کے نمائندوں کے ساتھ موجود تھا۔اسکے سامنے لاتعداد ٹی وی چینلز کے لوگوز میں لپٹے ہوئے مائیک لگے ہوئے تھے۔میڈیا کی طرف سے آئے ہوئے نمائندوں کی بھی کثیر تعداد ہال میں

موجود تھی۔حمید نے کھانستے ہوئے اپنا گلا صاف کیا اور پھر وہ بولا "دیکھیں مجھے بہت خوشی ہوئی کہ آپ لوگ آئے ،کافی دنوں سے میڈیا پر نا معلوم کس کی طرف سے بلیک فورس کے چیف کرنل فریدی کو ٹارگٹ کر کے ان کے خلاف افواہیں پھیلانے کا سلسلہ جاری ہے۔میں سمجھتا ہوں کہ ایسا نہیں ہونا چاہیے میں میڈیا کے سامنے بیٹھا ہوں اور بالکل صحیح سلامت ہوں کوئی نہ جانے کیوں ہمارے خلاف مسلسل میڈیا پر ورک کر رہا ہے۔ہمارے خلاف باقاعدہ ایک مہم چلی ہوئی ہے کہ مجھے کسی نے اغوا کر لیا ہے اور کرنل صاحب سا گالینڈ کی سلامتی اور خودمختاری پر سودا بازی کر رہے ہیں۔کرنل صاحب کا پورا ایک ٹریک ریکارڈ موجود ہے انہوں نے آج تک سا گالینڈ کی خودمختاری پر کوئی سودے بازی کی جو وہ اب کریں گے؟ مجھے میڈیا کے دوستوں کا بہت احترام ہے مگر میڈیا کو ذمہ داری کا ثبوت دینا چاہیے۔ایسا کچھ بھی نہیں ہوا، سا گالینڈ کی خودمختاری پر مر کے بھی سودے بازی نہیں ہوگی ،آپ ہم پر پورا اعتماد کریں۔ہمیں اب تک کی تفتیش کے دوران بہت سے نئے انکشافات ہوئے اور فریدی صاحب کی ہدایات کے عین مطابق ہم قاتل کے پیچھے ہیں اور انشااللہ بہت جلد آپ کو اس حوالے سے خوش خبری ملے گی اور شہری اپنے آپ کو محفوظ سمجھیں گے۔جی میں اب آپ لوگوں سے سوالات لوں گا۔۔۔جی بھائی آپ؟"

"سر یہ فریدی صاحب کہاں ہیں؟ کہیں آپ کے بجائے ان کو تو اغوا نہیں کر لیا گیا؟"

" کیسی باتیں کریں رہیں آپ ،کمال کرتے ہیں جی،ان کو کس نے اغوا کرنا ہے وہ کیس کے دیگر پہلوؤں پر کام کر رہے ہیں۔وہ تھوڑا مصروف تھے اس لئے اس پریس کانفرنس کا حصہ نہیں بن سکے ۔۔۔۔"

"سر آپ نے اب تک کیس کے اوپر تو کوئی روشنی ڈالی نہیں، آپ کو کیس کے حوالے سے اب تک کتنی کامیابی ملی ہے۔ پلیز میڈیا کو بھی اس حوالے سے آگاہ کریں عوام کافی پریشان ہیں۔۔۔"

"دیکھیں، بلیک فورس کے آتے ہی آپ نے خود دیکھا کہ حالات کافی بہتر ہو گئے ہیں، شہریوں کی جان و مال سب کا تحفظ یقینی بنانے کے لئے جو اقدامات ہم نے اٹھائے ہیں یہ یقیناً اسی کا اثر ہے۔ اب تک ہم بہت سی لاشوں کا سراغ لگا چکے ہیں، مگر ہم وہ تمام معلومات آپ کو شیئر کر کے قاتل کو ہوشیار نہیں کرنا چاہتے۔ البتہ میں آپ کو یہ بتا دوں کہ قاتل کسی نہ کسی طرح سے ریاضی دانوں کے پیچھے پڑا ہوا۔ اسے ان سے شدید نفرت ہے اب ایسا کیوں ہے اس سوال کے جواب کے لئے آپ کو انتظار کرنا پڑے گا اور کل ہونے والی عالمی کانفرنس میں بلیک فورس خاص طور پر تمام اسکیورٹی کے فرائض انجام دے گی اور انشااللہ ریاضی کے اوپر ہونے والی یہ کانفرنس امن کے ساتھ گذر جائے گی۔ آپ لوگ ہمارا ساتھ دیں گے اور امید کرتے ہیں کہ آپ لوگ بیلنس رپورٹنگ کریں گے تاکہ عوام میں کسی بھی حوالے سے خوف و ہراس نہ پھیلے۔ یہ ہم سب کا ملک ہے اور اس بات کا خیال رکھنا چاہیے کہ اس کی عزت پر کوئی حرف نہ آئے یہ ہم سب کا اولین فرض ہے۔۔۔۔ جی۔۔۔۔"

"سر کیا آپ نے اس حوالے سے حکومت سے کوئی رابطہ کیا ہے کل اتنی بڑی کانفرنس ہے کیا بلیک فورس یہ تنہا سب کچھ کر لے گی؟"

"بالکل تنہا یہ سب کچھ کر لے گی اور آپ کی طرف سے میں ملک بھر کے لوگوں کو دعوت دیتا ہوں کہ آپ بلا خوف و خطر آئیں کسی قسم کے گھبرانے کی ضرورت نہیں قاتل بس آپ لوگوں کو ڈرانا چاہتا ہے اس سے زیادہ اور کچھ نہیں۔ انشااللہ بلیک فورس پوری دنیا میں اپنا ایک نام رکھتی ہے۔ آپ لوگوں کو یہ جان

کر واقعی فخر ہوگا کہ بلیک فورس نے اس عالمی کانفرنس کی مکمل تیاری کی ہوئی ہے اور تمام ریاضی دان ہمارے سر کا تاج ہیں کوئی ان کا بال بھی بیکا نہیں کر سکتا۔ یہ تمام کام کرنل صاحب کی مکمل ہدایات پر ہو رہے ہیں، بس آپ میڈیا والوں سے درخواست ہے کہ اپنے ملک کا اچھا چہرہ بیرونی دنیا کو دکھائیں۔ تھینکس جی میں ایک بار پھر سب دوستوں کا مشکور ہوں کہ آپ ہمارا موقف سننے کے لئے ہمارے پاس آئے۔ بس میں اب اس کانفرنس کا اختتام کرتا ہوں۔ اب کل آپ سب دوستوں سے ملاقات ہوگی۔۔۔" یہ کہتے ہی حمید اٹھا اور تین نقاب پوشوں کے ساتھ چلتا ہوا وہاں سے چلا گیا۔



آج ریاضی پر ہونے والی عالمی کانفرنس کا انعقاد ہونے جا رہا تھا، جو مغل آباد کی سب سے بڑی درسگاہ مغل آباد یونیورسٹی میں ہونے جا رہی تھی۔ اس کے ایک بہت بڑے ہال کو بہترین انداز میں سجایا گیا تھا۔ اس میں دنیا کے گیارہ بہترین ریاضی دانوں نے شرکت کرنی تھی جنہیں بلیک فورس کی کوڈ زبان میں ہیروں کا نام دیا گیا تھا۔ جن کی حفاظت کے لئے فریدی نے خاص طور پر بلیک فورس کے خصوصی ایجنٹس کا انتخاب کر کے ان کی نگرانی کا اہتمام کیا تھا۔ گیارہ ہیروں میں سے ایک ہیرے کی لاش تابوت میں ایک فلائٹ سے ملی تھی جس کی وجہ سے وہ ہیرے گیارہ کی بجائے دس ہو گئے تھے۔ ان دس ہیروں میں سے بھی ایک کے بارے اطلاع تھی کہ وہ قاتل کا ساتھی یا مخبر ہے جو اندر کی خبریں مہیا کر رہا تھا۔ اسی کے بارے میں فریدی نے بلیک فورس کو ہدایت دی تھی کہ کھرے اور کھوٹے کا فرق پیدا کیا جائے۔ ان دس ہیروں میں سے جو نقلی ہے اسے تلاش کیا جائے۔ ایکریمیا کے سفیر کی جو اطلاع تھی اس کے مطابق کوئی پانچ یا چھ ریاضی دان تھے وہ کھوٹے ثابت ہو سکتے تھے مگر فریدی نے

جب اس حوالے سے تحقیقات کروائیں تو پتہ چلا کہ پانچ یا چھ نہیں بلکہ کوئی ایک ہی ہے جو باقی اصلی ہیروں کو خراب کرنا چاہتا ہے۔اس نقلی ہیرے کی تلاش میں بلیک فورس نے رات دن ایک کر کے تمام ہیروں کی غیر محسوس طریقے سے جاسوسی کی تھی۔اس مقصد کے حصول کے لئے بلیک فورس نے حکومت اور ہوٹل انتظامیہ کو ملا کر مغل آباد کے سب سے بڑے سیون سٹار ہوٹل اے ون نائن ہوٹل کا انتخاب کیا تھا۔وہ تمام ریاضی دان اسی ہوٹل میں قیام پذیر تھے، بلیک فورس نے ان کے تمام کمروں میں جاسوسی کے آلات لگوا دیئے تھے۔جس سے چوبیس گھنٹے ان کی نگرانی ہو رہی تھی، یہ سب کام خاموشی اور انتہائی غیر محسوس طریقے سے کیا گیا تھا۔کیونکہ یہ بہت ہی نازک کام تھا اگر ریاضی دانوں کو اپنی جاسوسی کے حوالے سے ذرا برابر بھی بھنک پڑ جاتی تو ساگالینڈ کے ان ممالک سے آئے ہوئے سفارتی تعلقات خطرے میں پڑ جاتے۔ کیونکہ ان پر جاسوسی کرنا کسی طرح بھی قانون کے دائرہ میں نہیں آتا تھا۔سفارتی تعلقات کا خراب ہونا کسی بھی لحاظ سے اچھا شگون نہ ہوتا۔مگر ان کاموں میں فریدی کی بلیک فورس اپنا ثانی نہیں رکھتی تھی اور ویسے بھی یہ سب کچھ حفاظت کے نکتہ نظر سے ہو رہا تھا۔دن رات کی جاسوسی کے بعد آخر کار انہیں وہ ایک نقلی ہیرا مل گیا، وہ واش روم میں جا کر ایک خفیہ کال کر رہا تھا جسے بلیک فورس نے ٹریس کر لیا۔وہ خفیہ کال مکمل طور پر کوڈ ورڈز کے غلاف میں لپٹی ہوئی تھی، اسی لئے وہ اسے فوری طور پر ڈی کوڈ تو نہ کر سکے البتہ دوسری طرف سے جو آواز آ رہی تھی وہ قاتل کی ہی تھی۔کیونکہ کال کے دوران چند ایسے اشارے ملے تھے جس سے اس بات کا اندازہ ہوا تھا کہ واقعی کال کرنے والا قاتل ہی ہوسکتا تھا۔کال ایک پرائیویٹ نمبر سے کی گئی تھی، جو بہت سرتوڑ کوشش کے بعد بھی ٹریس نہ ہوسکی تھی۔اس کے بعد لگاتار کالز کا سلسلہ جاری رہا اور ان میں کوڈ ورڈز کا ہی

تبادلہ ہوتا رہا۔ اگر وہ ریاضی دان واقعی ریاضی دان تھا تو اسے اپنی گفتگو خفیہ رکھنے کی ضرورت کیوں محسوس ہو رہی تھی۔ وہ کھل کر بھی اپنی تمام بات کر سکتا تھا، اسے واش روم جا کر شاور چلا کر کال کرنے کی نوبت کیوں پیش آتی۔ ایک دفعہ اتفاق ہو سکتا تھا، لیکن جب بار بار ایسا ہونا شروع ہو جائے تو اسے پھر سازش کہا جاتا ہے۔ وہی چیز بلیک فورس کو بھی کھٹک رہی تھی، وہ لوگ اس سے قبل تو اس پر ہاتھ نہ ڈال سکے تھے اب حمید کی ہدایت پر انہوں نے جب آج صبح اس ریاضی دان کے کمرے کا رخ کیا، تا کہ اس سے پوچھ گوچھ کی جا سکے۔ دروازہ پیٹنے پر تھوڑی دیر میں وہ دروازہ کھول کر باہر آ گیا۔ باہر چند لمبے تڑنگے لوگ سول سوٹ میں موجود تھے انہیں دیکھ کر اسے قدرے حیرت ہوئی پھر اس نے اپنی حیرت پر قابو پاتے ہوئے کہا۔

"جی فرمایئے میں آپ کی کیا خدمت کر سکتا ہوں؟۔۔۔۔"

"جی ہم لوگ انٹیلی جنس والے ہیں آپ سے چند سوالات پوچھنے تھے اگر آپ برا نہ منائیں تو کیا ہم اندر آ سکتے ہیں۔" ایک دم سے اس کے چہرے کا رنگ اڑ گیا اس نے فوراً اندر کی طرف دوڑ لگائی اور دروازہ بند کر لیا۔ بلیک فورس کو اس کی اس حرکت پر کافی تشویش ہوئی تو انہوں نے زور زور سے دروازہ بجانا شروع کر دیا۔ جب کچھ دیر تک اندر سے کوئی جواب نہ ملا تو وہ دروازہ توڑ کر اندر داخل ہو گئے تو انکے سامنے قالین پر وہ چت پڑا ہوا تھا اور اس ریاضی دان کے منہ سے سفید جھاگ نکل رہی تھی۔ اس نے زہر کھا لیا تھا اور وہ زہر اس قدر زود اثر تھا کہ اسکے کھاتے ہی اسکی موت واقع ہو گئی تھی۔ بلیک فورس کے ایک جاسوس نے فوراً اس کے چہرے کی دو تین تصویریں اپنے موبائل کی مدد سے اتاریں اور پھر وہ لوگ اس کا میک اَپ صاف کرنے لگے۔ میک اپ صاف کرتے ہی کسی مقامی

آدمی کی شکل نکل کر سامنے آگئی ۔اس نے کمال مہارت سے میک اَپ کیا ہوا تھا کہ ائیر پورٹ پر اترتے میک اَپ چیک کرنے والا کمپیوٹر بھی اسے نہیں پکڑ سکا تھا۔ورنہ وہ ائیر پورٹ پر ہی دھر لیا جاتا۔خیر میڈیا کو اطلاع دی گئی اور انکی نگرانی میں لاش کو وہاں سے نکالا گیا اور پھر اسے بلیک فورس کے کسی خفیہ ہیڈ کواٹر اپر پہنچا دیا گیا۔بلیک فورس کے نمائندوں نے اپنی شناخت بھی بلیک فورس کے نمائندوں کی ہی حیثیت سے کروائی تھی۔



درسگاہ کے بڑے سے ہال میں اس وقت بلیک فورس کے ایجنٹس تمام ریاضی دانوں کی حفاظت کے لئے موجود تھے۔اسٹیج پر نو ریاضی دان اس سال ہونے والی ریاضی پر پیش رفت کے حوالے سے اپنی اپنی آراء کا اظہار کرنے والے تھے۔ان کے علاوہ اسٹیج پر درسگاہ کے وائس چانسلر اور دیگر اساتذہ بھی موجود تھے۔اس کے علاوہ ہال میں طلبہ اور ملک بھر سے آئے ہوئے دیگر لوگوں کی کثیر تعداد موجود تھی۔سب کے سب لوگ اسٹیج پہ موجود اسٹیج اناؤنسر کو سن رہے تھے۔اسٹیج کی ایک سائیڈ پر حمید تھری پیس سوٹ میں موجود تھا اور اس کے ایک کان میں ایک آلہ لگا ہوا تھا جس کی مدد سے وہ بلیک فورس کے باقی ارکان سے رابطہ کر رہا تھا۔انہیں وقفے وقفے سے وہ کوڈ ورڈز میں ہدایات دیتا اور پیغامات وصول کر رہا تھا۔پوری درسگاہ کو بلیک فورس کے ایجنٹس نے گھیر رکھا تھا۔نہ صرف درسگاہ بلکہ اس کے باہر کئی میل تھے بلیک فورس کے ہی ایجنٹس موجود تھے۔سب انتہائی چوکنا تھے اور ہر ایک کی سخت چیکنگ کے بعد اندر جانے کی اجازت دی جا رہی تھی۔حمید کو پوری امید تھی کہ وہ آج قاتل کو ناکام بنا دے گے،اسے فریدی کے الفاظ رہ رہ کر یاد آ رہے تھے کہ برائی جتنی بھی طاقت ور ہو جائے آخری فتح سچائی

کی ہی ہوتی ہے۔

پھر ایک ایک کر کے تمام ریاضی دان اپنی کرسیوں سے اٹھ کر تالیوں کی گونج میں اپنی اپنی تقاریر کرتے جا رہے تھے۔نو میں سے آٹھ ریاضی دانوں نے اپنے حصے کی تقریریں مکمل کیں تو حمید نے سکھ کا سانس لیا۔اسے دلی سکون ہوا کہ آج وہ کامیاب رہا۔پھر آخری ریاضی دان کو دعوت دی گئی تو وہ اٹھ کر اپنی تقریر کرنے کے لئے چلتا ہوا مقررہ جگہ پر جانے لگا تو ایسے میں ایک ملازم دوڑتا ہوا حمید کے پاس آیا اور اس نے کان میں حمید کے کچھ کہا تو حمید کے چہرے کا رنگ فق ہو گیا۔پھر وہ اس کے پیچھے دوڑتا ہوا اندرونی کمروں کی جانب بڑھ گیا وہاں ایک آفس کے انداز میں سجے ہوئے کمرے میں ایک فون ہولڈ پر تھا۔حمید نے تقریباً بھاگتے ہوئے فون کا رسیور اٹھایا اور پھر وہ اپنا تعارف کروانے کے بعد دوسری جانب سے گفتگو سننے لگا۔

"جناب میں گریٹ لینڈ کے سفارت خانے سے سفیر صاحب کا پی اے بات کر رہا ہوں بڑی مشکلوں سے آپ سے رابطہ ہوا ہے۔مجھے بتایا گیا ہے کہ آپ فریدی صاحب کے اسسٹنٹ ہیں تو میں آپ کو بتانا چاہتا ہوں کہ سفیر صاحب گذشتہ تین گھنٹوں سے غائب ہیں ان کی رہائش سفارت خانے میں ہی ہے اور ان کا یوں اچانک غائب ہونا بنتا نہیں ہے۔کیونکہ آج بہت ہی اہم میٹنگز ہونی ہیں اور سفارت خانے کا سارا عملہ ان کی تلاش میں لگا ہوا ہے آپ جلدی سے آ جائیں۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔"

" کیا وہ بھی ریاضی کے پروفیسر ہیں؟۔۔۔۔۔"

"جی ہاں وہ گریٹ لینڈ میں ریاضی کے سب سے بڑے پروفیسر ہیں انہیں یہ سفیر عہدہ اعزازی طور پر دیا ہوا ہے کچھ عرصے کے لئے۔تا کہ ہم انکی خدمات کے بدلے انہیں خراج تحسین پیش کر سکیں۔اگر

انہیں کچھ ہوگیا تو بہت بڑا نقصان ہوجائے گا آپ پلیز جلدی سے آجائیں ۔"پی اے کی انتہائی گھبرائی ہوئی آواز میں بات مکمل ہوئی اور دوسری طرف سے لائن ڈراپ ہوگئی۔حمید کے تو یہ وہم و گمان میں ہی نہیں تھا کہ قاتل پوری بلیک فورس کو ایک طرف لگائے رکھا گا اور خود کہیں اور ہی واردات کر جائے گا۔قاتل نے انہیں زبردست چکما دیا تھا۔۔۔۔اب حمید کا سفارت خانے پہنچنا بہت ضروری ہوگیا تھا۔



گریٹ لینڈ کے سفارت خانے میں اس وقت ہنگامی حالات تھے۔وہاں افراتفری کا سا سماں تھا ہر کوئی ادھر ادھر بھاگ رہا تھا۔حمید بھی پی اے اور سفارت خانے کے دیگر اہم عملے کے ساتھ پوری عمارت دیکھ چکا تھا مگر سفارت خانے کے سفیر کا کہیں کوئی نام ونشان نہیں ملا تھا۔بلیک فورس اب دو حصوں میں بٹ گئی ایک طرف وہ اس عالمی کانفرنس کو سکیورٹی دے رہی تو دوسری طرف اب اسکے نمائندوں نے پورے سفارت خانے کو اپنے گھیرے میں لے لیا تھا۔آخر تھک ہار کر وہ حمید کے ساتھ پی اے کے روم میں جا کر بیٹھ گئے۔

" آخری بار آپ لوگوں نے انہیں کہاں دیکھا تھا؟"

"جی وہ آج صبح حسب عادت ورزش اور مارننگ واک کے لئے اٹھے تھے پھر واپس آکر انہوں نے ڈائننگ ہال میں سب کے ساتھ ملکر ناشتہ کیا تھا پھر وہ اپنے آفس آنے سے قبل ایک دم سے کہیں غائب ہوگے انکا بیڈ روم بھی ہم نے آپ کو دکھا دیا انہیں وہاں ہونا چاہیے تھا مگر وہ وہاں بھی نہیں ہیں کچھ سمجھ نہیں آرہی کہ آخر وہ بغیر بتائے کہاں چلے گئے۔وہ کبھی بھی غیر ذمہ دار واقع نہیں ہوئے بلکہ

وقت کی وہ خاص پابندی کرتے ہیں ۔انتہائی نفیس آدمی ہیں ،ہم سب انکی دل سے قدر کرتے ہیں ۔۔۔۔"ابھی پی اے نے بات مکمل کی ہی تھی کہ پاس پڑا ہوا فون رنگ کرنے لگا۔اس نے نمبر دیکھ کر کال اُٹھالی۔پھر دوسری طرف سے وہ سننے لگا۔

"اوہو۔۔۔۔۔۔۔۔یہ کیسے ہوا۔۔۔۔۔۔۔۔۔ہم ابھی آرہے ہیں آپ بےفکر رہیں۔۔۔"پی اے کے چہرے پر تشویش کے آثار نظر آرہے تھے۔پھر اس نے کھڑے ہوتے ہوئے کہا۔

"انکے کمرے کے ساتھ والے ایک اہم عہدے دار نے اپنے کمرے سے فون کر کے اطلاع دی ہے کہ اچانک سفیر صاحب کا روم بند ہو گیا ہے۔اس نے دروازہ کھٹکا کر پوچھا تو دوسری طرف سے کوئی جواب نہیں مل رہا ہمیں فوراً وہاں پہنچنا ہوگا۔آیئے میرے ساتھ۔۔۔"یہ کہتے ہی پی اے تقریباً ڈورتے ہوئے کمرے سے باہر راہداری میں آیا اور پھر وہ ایک قافلے کی صورت میں اس بلڈنگ سے نکل کر رہائشی عمارت کی جانب بڑھ گئے جو دس منزلہ تھی اور اس میں سفارت خانے کا سارا عملہ اپنے عہدوں کی مناسبت سے رہتا تھا۔کچھ دیر بعد وہ لوگ انکے کمرے کے پاس پہنچے جو گراؤنڈ فلور پر تھا۔دروازہ واقعی بند تھا اور وہاں دیگر لوگ بھی اکھٹے ہو گئے تھے۔اس کے بعد بلیک فورس کے آٹھ دس نقاب پوش وہاں پہنچے انہوں نے سب کو سائیڈ پر کیا پھر ایک نقاب پوش نے آگے بڑھ کر پوری قوت سے اپنے کندھے کی مدد سے تین ضربیں لگائیں تو دروازہ وہ ٹوٹ کر کھل گیا۔اندر انکے بیڈ کے اوپر ایک تابوت رکھا ہوا تھا۔ان سب نے اپنے اسلحے نکال لئے پھر سب سے پہلے حمید نے آگے بڑھتے ہوئے تابوت کو ایک نقاب پوش کی مدد سے نیچے اتار کر کھول لیا۔اندر ایک لاش پڑی ہوئی تھی۔ پی اے کی نشاندہی پر پتہ چلا کہ وہ سفیر صاحب کی لاش تھی ۔حمید نے سختی سے ہونٹ چباتے ہوئے

پورے کمرے کو اچھی طرح دیکھنا شروع کر دیا۔ باقی نقاب پوش بھی ایک ایک چیز الٹ پلٹ کر دیکھ رہے تھے۔ آج پھر بہت دنوں کے بعد تابوت میں لاش ملی تھی اور قاتل نے ان سب کو گھوما کر رکھ دیا تھا۔ پہلے یہ خدشہ تھا کہ قاتل عالمی کانفرنس کو ٹارگٹ کرے گا مگر اس نے اپنا پینترا بدل کر سب کو دھوکا دیتے ہوئے ایک بار پھر اس نے دو ہاتھ آگے رہنے کی روایت برقرار رکھی تھی۔ حمید تیزی سے تمام چیزوں کو غور سے دیکھ رہا تھا۔ پھر اس کی نظر بیڈ پر پڑی تو اس نے بیڈ شیٹ اتار کر زمین پر پھینک دی۔ حمید کو لگ رہا تھا کہ قاتل نے چھوٹا کام نہیں کیا ہوگا یقیناً کچھ اور بھی تھا جو اس کی نظروں سے اوجھل تھا۔ اب اس کی تلاش حمید کر رہا تھا، بیڈ شیٹ اتار کر اس نے بیڈ کو مختلف زاویوں سے دیکھنا شروع کر دیا۔ پھر اس نے ایک دم سے بیڈ کا مضبوط بورڈ ایک جھٹکے سے اتار کر زمین پر رکھ دیا اب نیچے زینے جاتے ہوئے نظر آ رہے تھے اور اسکے آگے اندھیرا تھا۔ سفارت خانے کا باقی عملہ حیرت سے یہ سب کچھ دیکھ رہا تھا اور انکے منہ کھلے ہوئے تھے۔ ایک ایک کر کے بلیک فورس کے نقاب پوش اندر اترنے لگے اور پھر انکے پیچھے حمید تھا انہوں نے اندر جا کر بہت سی پنسل ٹارچ روشن کر لی تھیں۔ ان کی مدد سے وہ لوگ نیچے اترے تو اب وہ ایک طویل سرنگ میں تھے۔ انکے ایک ہاتھ میں پنسل ٹارچ تھی اور دوسرے ہاتھ میں آتشی اسلحہ۔ کچھ دیر بعد آگے جا کر وہ سرنگ بند ہوگئی اور وہاں سے زینے اوپر چھت کی طرف جا رہے تھے جہاں پر ایک چوکور ڈھکن رکھا ہوا تھا۔ ایک ایک کر کے وہ سب اوپر چڑھنے لگے اور پھر سب سے پہلے والے نقاب پوش نے پورے طاقت لگاتے ہوئے اس ڈھکن کو ہٹایا تو انہیں ایک خلاء نظر آیا۔ پھر وہ اس خلاء میں داخل ہو کر غائب ہو گیا۔ کچھ دیر بعد اس کی چیختی ہوئی آواز آئی کہ اندر مزید تابوت اور لاشیں پڑی ہوئی ہیں۔ سب لوگ تیزی سے چڑھ کر اوپر پہنچے سب

سے آخر میں حمید پہنچا وہ ایک بہت بڑا کمرا تھا جو پورے کے پورا تابوت اور لاشوں سے بھرا ہوا ہوا تھا۔وہاں قریباً تمیں پینتیس کے قریب تابوت ہونگے۔حمید نے بری طرح سے ہونٹ کاٹتے ہوئے گھوم کرانکو دیکھا اور پھر حیرت سے اس کا منہ کھلے کا کھلا رہ گیا۔وہاں لاشوں کا رقص اپنے عروج پر تھا۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔حمید نے بے بسی سے اپنا سر تھام لیا۔اس کے علاوہ وہ اور کر بھی کیا سکتا تھا۔بہت بڑی چوٹ ہوگئی تھی۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆

تابوت میں قاتل کی لاش

وہ کار انتہائی تیز رفتاری سے دنیا کے مشہور و معروف "ٹاور برتج لندن" کے اوپر سے جا رہی تھی۔اس کو ڈرائیو کرنے والے ایک ریاضی کے پروفیسر آئن گلبرٹ تھے۔پورے برطانیہ میں ان کو نہایت عزت اور قدر کی نگاہ سے دیکھا جاتا تھا۔وہ لندن کی مشہور و معروف " کیمرج یونیورسٹی " کے ریاضی ڈیپارٹمنٹ کے ڈین تھے۔انکے زیر سایہ بہت سے طالب علموں کا نام اور کام پوری دنیا میں تھا۔عمر ساٹھ کے قریب رہی ہوگی مگر انہوں نے اپنے آپ کو اب تک فٹ رکھا رہوا تھا۔ٹاور برتج اب لندن کی ایک بنیادی علامت بن گیا ہے۔یہ دریائے تھیمز کے اوپر دو ٹاورز کو آپس میں ملا کر قدرے اونچائی پر بنایا گیا ہے جس میں دو افقی چلنے کے راستے ہیں۔یہ لندن کے پانچ مشہور پلوں میں سے ایک ہے۔اسے 1886 اور 1894 کے درمیان تعمیر کیا گیا۔پھر اسے 30 جون 1894 عام لوگوں کے لئے کھول دیا گیا۔اس کی اونچائی 213 فٹ اور لمبائی 270 فٹ ہے۔اس وقت ٹریفک کا بہاؤ خلاف توقع کم تھا ورنہ گاڑیاں رینگ رینگ کر چلتیں۔پروفیسر آئن گلبرٹ اس وقت اپنے کسی ذاتی کام کے سلسلے میں باہر نکلے تھے اور انہیں وہاں سے گزرنا پڑ رہا تھا۔ایک دم کسی نے پوری قوت سے پیچھے سے ان کے سر کو پکڑ کر جھٹکا دیا تو گاڑی انکے کنٹرول سے باہر ہوگئی۔اچانک وہ سامنے والی گاڑی

سے لگی تو انہوں نے لاشعوری طور پر بریک لگائی ہی تھی کہ پیچھے ایک بہت بڑا ٹرالر آ کر انکی گاڑی سے پوری قوت کے ساتھ لگا اور گاڑی کو ایک بھرپور جھٹکا لگا، پھر وہ اپنے راستے سے ہٹ کر مخالف سمت سے آنے والی ایک اور گاڑی سے ٹکرائی، گاڑی چونکہ اپنی رفتار کے حساب سے بہت تیز تھی اور پیچھے سے ٹرالر کی ایک اور ٹکر لگی تو وہ ایکدم پل کے ڈیوائیڈر سے لگی اور پھر فضا میں اچھلی اور پھر اڑتی ہوئی پانی میں جا گری۔



حمید بے بسی سے سر پکڑے تمام لاشوں کو دیکھ رہا تھا۔ وہ سب کی سب لاشیں یقیناً ریاضی دانوں کی ہی ہوسکتی تھیں۔ اتنی دیر میں ایک سیاہ نقاب پوش ایک ڈی وی ڈی لے آیا جس کے اوپر سیاہ نیولا بنا ہوا تھا۔ حمید نے اسے گھور کر دیکھا اور پھر اپنا منہ سختی سے بند کرلیا۔ اس کا دماغ تیزی سے چل رہ تھا۔ اسے اب چلانے کا مسئلہ تھا، حمید نے ایک نقاب پوش کو لیپ ٹاپ لانے کے لئے بھیج دیا۔ اس اثناء میں اس نے گھوم پھر کر دیگر تابوت اور ان میں موجود باقی لاشوں کا معائنہ کیا۔ کوئی پندرہ منٹ بعد وہ آدمی سفیر کے پی اے کے ساتھ آیا جو بالکل اپنے ہوش و حواس میں نہیں تھا۔ بہت حیران اور پریشان تھا۔ اسکے تو وہم و گمان میں ہی نہیں تھا کہ کبھی ایسی وارادت بھی ہوسکتی ہے اور سفیر صاحب کے کمرے میں سے نکل کر کوئی ایسا بھی راستہ بھی ہوسکتا ہے، دوسرا سفیر کی تابوت میں لاش دیکھ کر اس کی حالت غیر ہورہی تھی۔ اسے کچھ سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ یہ سب کچھ کیا ہورہا ہے۔ عام آدمی کے لئے لاش دیکھنا اور پھر اسے برداشت کرنا واقعی بہت مشکل ہوتا ہے۔ جن کا یہ روز کا کام ہو انکے دل وقت کے ساتھ پتھر بن جاتے ہیں کیونکہ یہ سب انکی ڈیوٹی کا تقاضہ ہوتا ہے۔ خیر ڈی وی ڈی کو لیپ ٹاپ میں ڈالا گیا

تو حسب سابق اسکرین پر ایک سیاہ نیولا جھومتا ہوا نظر آیا اس دوران حمید نے پھرتی سے جیب سے موبائل فون نکال کر اس کی مدد سے ویڈیو بنانا شروع کر دی۔ایک دم وہ اسکرین ہٹی اور پھر اس پر سیاہ نیولا کی ایک نئی تصویر نظر آنی لگی۔پھر اچانک پس منظر سے ایک کرخت آواز آئی۔

"ویلکم مسٹر حمید! بس یہی فرق ہے تم میں اور کرنل فریدی میں ،تمہاری وجہ سے یہ سب ممکن ہوا اس پر میں تمہارا جتنا شکریہ ادا کروں وہ کم ہے۔یہ سب لاشیں دیکھ رہے ہو؟ کتنی اچھی لگ رہی ہیں ناں؟ تو پھر لگی میری یہ چال؟۔۔۔۔۔ہاہاہا بلکہ چال پر چال ،اگر میں تم لوگوں کو نہ پھنساتا تو یہ سب کبھی ممکن نہ ہوتا۔یہ سب کچھ صرف اور صرف تمہیں اس انٹرنیشنل کانفرنس میں الجھائے رکھنے کی وجہ سے ممکن ہوا ہے۔بہرحال تم جتنی بھی کوشش کرلو،کرنل فریدی کی جگہ نہیں لے سکتے ؟اب تمہارے لئے ایک خوشخبری ہے اور وہ یہ کہ سا گالینڈ میں اب میرا مقصد پورا ہوا۔مبارک ہو اب تم لوگوں کو مزید تابوت اور اس میں موجود لاشوں کے تحفے نہیں ملیں گے۔اب تو میں پوری دنیا کو اپنی لپیٹ میں لینے لگا ہوں۔روک سکو تو روک لو۔۔۔۔۔ہاہاہا۔۔۔۔۔۔اور ہاں جاتے جاتے میں ایک اور بات بتاتا چلوں موبائل سے ویڈیو بنانے کا کوئی فائدہ نہیں ہے کیونکہ یہ ویڈیو تمہارے موبائل پر سیو نہیں ہوگی یاد رکھنا اور تمہیں پچھلا سبق تو یاد ہی ہوگا ناں کہ ویڈیو خود بخود کرپٹ ہو کر فارغ ہو جاتی ہے۔اس بار بھی بنیادی سبق میں تبدیلی نہیں ہوئی،لہذا ہوشیاری چھوڑ و اور موبائل سائیڈ پر رکھ دو۔۔۔۔۔۔۔ہاہاہا۔۔۔"بے شمار قہقہوں کے بعد ویڈیو واقعی گزشتہ ویڈیو کی طرح کرپٹ ہو کر فارغ ہوگئی۔حمید نے جلدی جلدی اپنے موبائل والی ویڈیو روک کر سیو کی اور پھر جب اس نے ویڈیو کو چلایا تو واقعی وہ سیو تو ہوئی تھی مگر خالی تھی۔اس نے نہایت بے بسی سے دیوار پر اپنا موبائل دے مارا،اب دیواروں میں ٹکریں مارنے کے

سوااور کچھ نہیں رہ گیا تھا۔



"میرا نام شکیل خان ہے اور مجھے زمانے کی سختیوں نے سیاہ نیولا بنا دیا۔ سمجھ نہیں آتی کہ میں اپنی کہانی کہاں سے شروع کروں۔ میرے اندر شاید سانپ سے زیادہ زہر ہے۔ اس کی بنیادی وجہ میرے اندر کا وہ درد ہے جس کو میں چھپائے پھرتا ہوں۔ اس درد میں اتنے زخم ہیں کہ اگر میں اس کو جتنا کھولوں گا اتنا بکھرتا چلا جاؤں گا۔ میں نے بچپن سے لیکر جوانی تک اس ذہنی و جسمانی تشدد اور بربریت کو برداشت کیا ہے جس نے میرے اندر ایک آتش فشاں بھر دیا ہے۔ ایک ایسا طوفان جسے شاید لفظوں میں سمیٹنا آسان نہیں۔ اس آتش فشاں نے پھٹنا تھا اور وہ پھٹا، اس کے بعد میں نے اب تک جو کیا ہے اس پر تم لوگوں کو مجھ سے شدید نفرت ہوگی۔ تم لوگ مجھے انسانیت کا قاتل کہو گے۔ مجھے ایک درندے کی حیثیت سے یاد رکھو گے مگر ایک بار، صرف ایک بار میری زندگی کی داستان ضرور سن لینا۔ میں یہ دعویٰ تو نہیں کرتا کہ تم لوگوں کو مجھ سے محبت ہو جائے گی مگر شاید تم لوگوں کے آنسو ضرور بہیں گے اور میری جگہ خود کو رکھ کر دیکھنا۔ اگر تم لوگ خود کو انسان کہتے ہو اور یہ دعویٰ کرتے ہو کہ تم لوگ انسانیت کے چیمپئین ہو تو میرے درد کو ضرور محسوس کرو گے۔ میں بھی انسان تھا، آخر ایسا کیا ہوا جس نے مجھے انسان سے درندہ بننے پر مجبور کر دیا؟ میری کہانی کے ہر لفظ میں وہ تڑپ اور تکلیف ہے، جسے سننے کے بعد تم لوگ خود فیصلہ کرنا کہ اگر تم میری جگہ ہوتے تو کیا کرتے؟ کیا میں نے جو کیا وہ صحیح تھا؟ اگر نہیں تو مجھے کیا کرنا چاہیے تھا؟ ---------------"



دریا میں گرتے ہی پوری کار میں پانی بھر گیا۔کار کی پچھلی سیٹ پر ایک سیاہ نقاب پوش بیٹھا تھا۔اس نے فوراً اپنی پینٹ سے بیلٹ نکال کر پروفیسر کی گردن کے گرد لپیٹ لی۔ پروفیسر بری طرح سے ہاتھ پیر مارنے لگے۔ان کے منہ سے تیزی سے پانی کے بلبلے نکل رہے تھے۔مگر وہ ظالم بالکل بھی رحم نہیں کر رہا تھا۔پھر اس نے اپنے آپ کو الگ کیا اور کار کی پچھلی کھڑکی سے باہر نکل آیا اور اس نے پروفیسر کو بھی کھڑکی سے پکڑ کے باہر کھینچ لیا۔دونوں کے درمیان زبردست کش مکش جاری تھی۔سیاہ نقاب پوش نے ایک بار پھر پروفیسر کی پشت پر آ کر بیلٹ کے گرد گھیرا تنگ کرنا شروع کیا اور مکمل طور پر گردن کو اس میں لپیٹ لیا۔وہ جوں جوں گردن پر دباؤ بڑھاتا جا رہا تھا ویسے ویسے پروفیسر کی حالت خراب ہو رہی تھی۔اس کے جسم کا سارا خون اسکے چہرے پر جمع ہو گیا تھا۔چہرہ لال اور انتہائی بھیانک لگ تھا۔کچھ دیر بعد نقاب پوش نے ایک دم سے بیلٹ ہٹا کر پانی میں پھینک دی۔پھر وہ پروفیسر کو پکڑتا ہوا پانی کی سطح پر لے آیا اور پھر ایک دم سے اس نے سر باہر نکال لیا۔اچانک دو اطرف سے لندن پولیس نے انہیں گھیر لیا۔

"خبردار اپنے آپ کو پولیس کے حوالے کر دو۔۔۔۔۔۔۔ہم دہراتے ہیں تم دونوں خود کو پولیس کے حوالے کر دو۔ورنہ تم دونوں کو شوٹ کر دیا جائے گا۔ہم تمہیں بتاتے چلیں کے لندن پولیس نے تمہیں گھیر لیا ہے۔تمہارے بچنے کی اب کوئی صورت باقی نہیں ہے۔"سیاہ نقاب پوش نے ایکدم سے جیب سے پستول نکال لی۔

"تم لوگ ایک سائیڈ پر ہو جاؤ اور مجھے یہاں سے نکلنے کا راستہ دو ورنہ پروفیسر سمیت تم سب کو بھون دوں گا۔ میں پھر دوہراتا ہوں یہ لندن کے مشہور و معروف پروفیسر آئن گلبرٹ ہیں کوئی عام آدمی

نہیں۔اگر تم لوگوں نے شوٹ کیا تو انکی جان بھی ساتھ جائے گی پھر انکا خون بھی تم پر ہوگا۔دیکھو مجھے اپنے مرنے کی کوئی پرواہ نہیں مگر تمہیں لوگوں کا ایسا نقصان ہوگا کہ آنے والی کئی صدیوں تک تمہیں کوئی ایسا پروفیسر نہیں ملے گا۔تم سب کو پھانسیاں لگیں گی۔میں پھر دہراتا ہوں مجھے یہاں سے نکلنے کا راستہ دو ورنہ میں پروفیسر سمیت تم سب کو بھون دوں گا سمجھے۔" یہ کہتے ہی اس نے پستول پروفیسر کی کنپٹی سے لگالی۔پولیس والوں کا رویہ پہلے تو کافی جارحانہ تھا مگر سیاہ نقاب پوش کی لگاتار دھمکیاں سن کر وہ ایک دم دفاع پر چلے گئے۔وہ اپنے سب سے قیمتی پروفیسر کو کسی قیمت پر نہیں کھونا چاہتے تھے پس یہی ان کی سب سے بڑی مجبوری تھی۔

"میرے پیچھے سے پولیس ہٹائی جائے، مجھے اپنے سامنے سے نکلنے کا راستہ دیا جائے۔۔۔۔میں پھر دہراتا ہوں میرے پیچھے سے پولیس ہٹائی جائے، مجھے اپنے سامنے سے نکلنے کا راستہ دیا جائے ورنہ میں یہ پھر سے بتادوں یہ لندن کے مشہور و معروف پروفیسر آئن گلبرٹ ہیں کوئی عام آدمی نہیں۔تمہاری روحیں صدیوں تک انکی موت کا کفارہ نہیں اتار سکیں گی۔اگر تم لوگوں نے شوٹ کیا تو انکی جان بھی ساتھ جائے گی اور میں پھر تم لوگوں کو بتادوں ایک گولی میرے سر میں لگے تو ساتھ ہی میں پروفیسر کی کھوپڑی بھی پاش پاش کردوں گا۔۔۔۔"



"۔۔۔۔میں پہلے بہت بزدل ہوتا تھا مگر زندگی نے سکھا دیا کہ زمانے بھر سے ٹکر لئے بغیر کوئی چارہ نہیں۔ورنہ یہ لوگ انسان کو کچا چبا جاتے ہیں اور کیوں نا چبائیں ان کا حق ہیں ناں آخر میں ہوں کون؟ایک لاوارث یتیم لڑکا۔میں نے آج تک اپنے والدین کو نہیں دیکھا،ان کے پیار کو ترسا۔ماں

کی ممتا کیا ہوتی ہے؟ باپ کی شفقت کیا ہے اوراس کی محبت کسے کہتے ہیں معلوم نہیں۔میں ماں باپ کے رشتوں کے اُن جذبوں کو نہیں سمجھ سکتا جو عام لوگ جانتے اور سمجھتے ہیں۔شاید یہی میرا جرم تھا جسے اس دنیا نے برداشت نہیں کیا۔اگر ان کا سایا میرے سر پر ہوتا تو مجھے کوئی لاوارث نہ سمجھتا۔کہتے ہیں کہ جن کے والدین حیات ہوں وہ بہت خوش قسمت ہوتے ہیں۔ان کے سائے میں پرورش پانے والا بچہ زمانے بھر کی تلخیوں کو احسن طریقے سے جھیلتا ہے۔مجھے تو معلوم نہیں پر میں نے ان کی غیر موجودگی میں سب کچھ سہا۔میں راتوں کو روتا تھا اور دن کو دنیا والوں کی سختیاں برداشت کرتا تھا۔ان دونوں کی کمی کا احساس آج بھی میری روح کا حصہ ہے۔جو مجھے ہر پل کاٹتا ہے،میں ایک بار رو کر تھک جاتا ہوں مجھے پھر اپنی تنہائی کا درد ہوتا ہے میں پھر روتا ہوں۔انسان شاید اپنے درد پر قابو پا لیتا ہے لیکن اگر اس کا کوئی درد بانٹنے والا ہی نہ ہو تو پھر وہ کیا کرے؟ میری پیدائش کے فوراً بعد میری والدہ کا انتقال ہو گیا اور میں جب کوئی تین برس کا تھا تو میرے والد کا ایک کار ایکسیڈنٹ ہوا اور وہ اس میں جاں بحق ہو گئے۔میرے چچا اور چچی نے مجھے گود لے لیا۔ان کے اپنے بھی بچے تھے ایک بیٹا سعد اور ایک بیٹی شازیہ۔سعد،شازیہ سے تین سال بڑا تھا اور دونوں کی جماعتوں میں بھی زیادہ فرق نہیں تھا،سعد ایک جماعت آگے تھا۔ پرایا تو پھر پرایا ہی ہوتا ہے،کوئی لاکھ کہے کہ اپنا خون اپنا ہوتا ہے۔ابھی مجھے پوری طرح ہوش بھی نہیں آیا تھا کہ انہوں نے مجھے کام پر لگا دیا۔انکے بیٹے،بیٹی سمیت سب کی خدمت کرنا میرا فرض تھا اور اگر اس فرض میں تھوڑی سی چوک ہو جاتی تو اس دن میری وہ درگت بنتی تھی کہ پورا جسم پھوڑے کی طرح دکھنے لگتا۔مار کے دوران مجھے رونے کی اجازت نہیں ہوتی تھی،میں جتنا روتا تھا مجھے اتنی زیادہ مار پڑتی تھی۔چچا اور چچی کی لغت میں رحم نام کا کوئی لفظ نہیں تھا اور

نہ ہی وہ لوگ اس لفظ کا مطلب سمجھتے تھے۔سو پرایا سمجھ کر وہ لوگ اپنے اندر کی نفرت کی آگ مٹاتے تھے۔انہیں مجھ سے اس قدر نفرت کیوں تھی اس کے پیچھے ایک لمبی کہانی تھی جو مجھے بڑے ہو کر پتہ چلی اور جب پتہ چلی تو میں ان دونوں کے خوف سے مزید دور بھاگ گیا۔۔۔۔۔"

☆☆☆

سیاہ نقاب پوش نے جب چیخ چیخ کر اعلان کیا تو باقی پولیس والے بھی ذرا چونک کر ہوشیار ہوئے۔انہیں بھی یقین ہوا کہ یہ واقعی ریاضی کے مشہور پروفیسر ہیں،انہیں دیکھ کر سب ڈھیلے پڑ گئے سیاہ نقاب پوش کے اشارے پر سب ایک سائیڈ پر ہو گئے اور پھر اسے پانی میں سے نکلنے کا راستے دے دیا۔سیاہ نقاب پوش پروفیسر کے گلے میں بیلٹ لگائے انہیں لیتا ہوا پانی سے نکلا،جبکہ اس دوران پولیس سائیڈ پر ہو کر اسے بار بار سمجھانے لگی۔

"دیکھو مسٹر تم جو کوئی بھی ہو قانون کو ہاتھ میں مت لو،کچھ تو خیال کرو۔۔۔۔۔وہ پروفیسر ہیں،ہم تمہاری ہر بات ماننے کو تیار ہیں لیکن ان کو چھوڑ دو۔ہم تمہیں جانے دیں گے۔۔۔۔۔ہم پھر کہہ رہے ہیں،تم جو کوئی بھی ہو قانون کو ہاتھ میں مت لو۔۔۔۔۔۔"وہ بار بار سیاہ نقاب پوش کو سمجھاتے رہے مگر اس نے کسی کی پرواہ نہیں کی پانی سے نکل کر خشکی پر آتے ہی اس نے دہشت بڑھاتے ہوئے دو فائر کیئے اور دو پولیس والوں کی کھوپڑیاں کئی حصوں میں تقسیم ہو کر بکھر گئیں۔

"اپنے ہتھیار پھینک دو اور اپنے رخ دوسری جانب کر کے اپنے ہاتھ سر پر رکھ لو ورنہ سب کو بھون دوں گا۔۔۔۔"سیاہ نقاب پوش نے غراتے ہوئے کہا تو اس کے سامنے موجود باقی پولیس والوں نے اپنے ہتھیار ڈال کر اپنے رخ بدل لئے۔سیاہ نقاب پوش نے پاس موجود ایک گاڑی کے پاس کھڑے

سہمے ہوئے عام آدمی کی طرف اشارہ کرے کے اسے کہا کہ وہ گاڑی کا پچھلا دوراز ہ کھول دے اور خود ایک طرف ہٹ جائے اس آدمی کی تو پہلے ہی حالت خراب تھی اس نے ڈرتے ڈرتے ساتھ موجود ایک گلی کی طرف پھرتی سے دوڑ لگا دی۔نقاب پوش نے آگے بڑھ کر گاڑی کا دروازہ کھولا اور پروفیسر کو اندر دھکیل کر اسکی گردن سے بیلٹ ہٹائی اور اسی بیلٹ کی مدد سے اس نے اس کے دونوں ہاتھ فرنٹ سیٹ سے باندھ دیئے۔اس دوران دو گولیاں سنساتی ہوئی نقاب پوش کے پاس سے گذر گئیں۔اس نے پیچھے مڑ کر پانی کے اس پار دو پولیس والوں کو ٹارگٹ کیا اور پھر دونوں کو فارغ کر کے وہ دوڑتا ہوا ڈرائیونگ سیٹ پر آیا اور گاڑی سٹارٹ کر کے وہاں سے تیزی کے ساتھ نکل گیا۔اس دوران مزید گولیوں نے گاڑی کے پیچھے موجود اشاروں والی دو لائٹس فارغ کر دیں۔



مغل آباد میں تابوت اور لاشوں کے ڈھیر کے بعد میڈیا کی جانب سے حمید اور بلیک فورس پر شدید تنقید ہونا شروع ہو گئی تھی۔جبکہ انسانی حقوق کی تنظیموں نے باقاعدہ مغل آباد پریس کے سامنے احتجاج کرنا شروع کر دیا تھا۔انہوں نے بینرز اٹھا رکھے تھے جس پر نمایاں حروف کے ساتھ "ریاضی دانوں کو انصاف دو "۔۔ "انصاف سب کے لئے یکساں "۔۔۔۔۔ "مظلوم ریاضی دانوں کی آواز بنو۔۔۔انہیں انصاف دو"۔۔۔۔۔۔۔"حق اور سچ کی آواز کوئی نہیں مٹا سکتا"۔۔۔۔نعرے تحریر تھے۔قاتل نے جس طرح انسانی حقوق کی دھجیاں اڑائی تھیں اس پر سب سراپا احتجاج تھے۔سب کا یہی مطالبہ تھا کہ بلیک فورس ناکام ہو گئی ہے اب سلامتی کونسل کو یہاں بلایا جائے اور عالمی ادارے ان تمام واقعات کی تحقیقات کریں۔مقامی ادارے بری طرح سے ناکام ہو گئے تھے،لہذا

اب ضرورت اس امر کی تھی کہ اس قوت کو بلایا جائے جو صحیح معنوں میں نہ صرف امن قائم کر سکے بلکہ وہ شہریوں کو بھی تحفظ فراہم کر سکے۔قاتل اپنے نشے میں مست تھااور اگر اسے نہ روکا گیا تو سا گا لینڈ ریاضی دانوں سے ہمیشہ کے لئے محروم ہو جائے گا۔یہ وقت کا تقاضہ تھا کہ اب ان قوتوں کو میدان میں لایا جائے جو واقعی اس مسئلے کو حل کر سکیں۔انہوں نے حکومت سے مطالبہ کیا کہ وہ جلد از جلد فیصلہ کرے تا کہ مزید جانوں کو قتل ہونے سے بچایا جا سکے۔میڈیا ان کا بڑھ چڑھ کر ساتھ دے رہا تھا۔۔۔۔۔۔۔حکومت اب بری طرح سے مجبور تھی دوسری جانب کرنل فریدی کا کہیں پتہ نہیں چل رہا تھا نہ جانے وہ کہاں غائب ہو گیا تھا؟۔

☆☆☆

"۔۔۔۔۔۔۔۔۔ ہر بچے کی طرح مجھے بھی پڑھنے کا شوق تھا اور میرا یہ بنیادی حق تھا کہ مجھے بھی تعلیم دی جائے ۔لیکن مجھے اس سے محروم رکھنے کی پوری کوشش کی گئی پر میں بھی کسی سے کم نہیں تھا چچا چچی کے بچوں کے ساتھ جب بیٹھتا تو ان کی صحبت میں رہ کر تھوڑا بہت لکھنا پڑھنا سیکھتا رہتا تھا اور پھر نوبت یہاں تک آ گئی کہ ان کا ہوم ورک بھی میں لکھ کر دیتا تھا جس کی خاطر انہیں مجبوراً مجھے اتنی تعلیم دینا پڑی کہ میں بچوں کا ہوم ورک لکھ سکوں یا ان کی ہدایت کے مطابق انکے کام کر سکوں۔ویسے تو مجھے ہر مضمون بہت پسند تھا مگر تمام مضامین میں مجھے ریاضی کچھ خاص ہی لگاؤ تھا اور میں غیر معمولی طور پر ان دونوں سے بہت زیادہ ذہین تھا۔مجھے کوئی چیز ایک بار بتا دی جاتی تھی تو پھر وہ کبھی نہیں بھولتی تھی۔پھر وہ وقت بھی آیا جب میں نے ریاضی میں سعد اور شازیہ دونوں کو کراس کر دیا یہ بات چچی کو اتنی بری لگی کہ انہوں نے چچا کو شکایت لگا کر میری خوب ٹھکائی لگوادی اور اس دن مجھے ایک اور سبق مل

گیا کہ پڑھائی میں مجھے چچا اور چچی کے بچوں سے سبقت بھی نہیں لینی۔ مگر جو چیز خدا کسی کو عطا کر دے تو پھر کچھ بھی ہو جائے کوئی اس سے چھین نہیں سکتا۔ خیر وقت گذرتا رہا جب میں دس برس کا ہوا تو اچھا خاصا جوان ہو گیا تھا، سعد اور شازیہ بھی تقریباً ہم عمر تھے۔ مجھے اب آہستہ آہستہ سمجھ آنے لگی اور باتوں کا پتہ چلنے لگا کہ میرے اردگرد کیا ہو رہا تھا۔۔۔۔"



سیاہ نقاب پوش نے پوری رفتار سے گاڑی آگے بڑھا دی۔ وہ مختلف سڑکوں سے نکلتا ہوا ایک مین سڑک پر آ گیا، وہ جیسے ہی وہاں پر آیا بہت سی پولیس گاڑیاں اس کے پیچھے لگ گئیں۔ ان کے سائرن کی چیختی ہوئی آوازیں آ رہی تھیں وہ سب ایک دوسرے کے آگے پیچھے چلتی ہوئی نقاب پوش کی گاڑی کا تعاقب کر رہی تھیں۔ سڑک پر ٹریفک رواں دواں تھی، مگر وہ سب ٹریفک کی پرواہ کئے بغیر گاڑیوں کو چیرتی ہوئی آگے بڑھی چلی جا رہی تھیں۔ کافی دیر تک مختلف سڑکوں پر ان کا مقابلہ ہوتا رہا، وہ سڑکیں تبدیل کرتی رہیں پھر اچانک پولیس نے اپنی حکمت عملی بدلی اور نقاب پوش کی گاڑی کو آگے سے گھیرنے کی کوشش کی تا کہ اس کے فرار کی کوئی صورت باقی نہ رہے۔ دیکھتے ہی دیکھتے آگے پیچھے دونوں اطراف سے اس کی گاڑی کو گھیر لیا گیا۔ وہ انتہائی تیز رفتاری سے اسکی جانب بڑھ رہی تھیں قریب تھا کہ ایک شدید ٹکراؤ ہوتا مگر عین آخری لمحے میں سیاہ نقاب پوش نے اپنی گاڑی سائیڈ پر موڑی اور پھر انتہائی پھرتی ایک سائیڈ گلی میں چلا گیا اور پیچھے سے آنے والی پولیس کی گاڑیاں بری طرح سے پوری قوت کیساتھ ایک دوسرے سے ٹکرائیں اور انکے شیشے چکنا چور ہو گئے۔ سائیڈ گلی میں بہت آگے جا کر نا معلوم کیوں نقاب پوش کی گاڑی رک گئی۔ پولیس والے جو اپنی آگے والی گاڑیوں کے ٹکرانے

کی وجہ سے ایکدم سے رک گئے تھے وہ پھرتی سے اپنی گاڑیوں سے اترے اور پھر دوڑتے ہوئے سائیڈ گلی میں گھس گئے۔انہوں نے آپس میں رابطے تیز کر دیئے، وہ اپنے کانوں میں موجود آلات کی مدد سے ایک دوسرے سے رابطہ کر رہے تھے۔تو پھر سائیڈ گلی کی دوسری طرف سے کچھ پولیس والے دوڑتے ہوئے آئے اور پھر جلد ہی انہیں یہ انکشاف ہوا کہ سیاہ نقاب پوش اور پروفیسر گاڑی میں موجود نہیں۔نقاب پوش ان سب کو چکما دے کر وہاں سے فرار ہو گیا تھا اور خالی گاڑی انکا منہ چڑا رہی تھی۔انہوں نے فوراً پورے علاقے کو گھیرے میں لے لیا اور پھر اس علاقے کا سرچ آپریشن شروع ہو گیا۔کوئی پانچ گھنٹے کی تھکا دینے والی بھاگ دوڑ کے بعد معلوم ہوا کہ نقاب پوش ایک پولیس والے کی وردی میں وہاں سے کافی پہلے فرار ہو چکا تھا۔پھر پورے شہر میں اسکی تلاش کی جاتی رہی۔مگر نقاب پوش نے نہ ملنا تھا اور نہ وہ ملا۔



یونیورسٹی آف اون کا شمار جرمنی کی سب سے بڑی یونیورسٹیز میں ہوتا تھا، یہ دراصل ایک پبلک ریسرچ یونیورسٹی تھی۔اس کی شاندار عمارت میں بے شمار علوم پر ریسرچ ہوتی تھی، جس میں ریاضی بھی قابل ذکر تھا۔اس وقت کوئی رات کے نو کا عمل تھا اور پروفیسر ایڈلف ووٹن ریاضی کے وسیع وعریض ریسرچ سینٹر میں بیٹھے مختلف کتابوں کا مطالعہ کر رہے تھے۔ان کا یہ تقریباً روز کا معمول تھا کہ وہ کلاس ہونے یا نہ ہونے کے باوجود باقاعدگی سے ریسرچ سینٹر آ کر بیٹھ جاتے اور کتابوں کی دنیا میں کھو جاتے تھے۔انکے سامنے لکھنے کے لئے پین اور خالی کاغذ بھی موجود ہوتا تھا۔جس کی مدد سے وہ پیچیدہ فارمولوں کو خود حل کرتے تھے۔جرمنی بھر میں انہیں نہایت قدر کی نگاہ سے دیکھا جاتا تھا۔ان کی عمر

ساٹھ کے لگ بھگ رہی ہوگی۔بالوں میں چاندی اور ماتھے پر عینک رکھے وہ اپنے کام میں غرق رہتے تھے۔اس وقت بھی وہ اپنی ضروری تحقیق میں مصروف تھے کہ اچانک کسی نے ایکسٹنشن وائر ان کی گردن کے گرد لپیٹی اور تین چار چکر دینے کے بعد انہیں پوری قوت سے ایک جھٹکے کے ساتھ کھڑا کیا اور پھر انکی گردن کے گرد گھیرا تنگ کر دیا۔آس پاس اسٹڈی روم میں کوئی موجود نہیں تھا اور نہ ہی کوئی گارڈ تھا لہذا انکی مدد کو آنے والا بھی کوئی نہیں تھا۔پہلے پہل تو وہ سمجھ ہی نہ سکے کہ یہ اچانک کون سی افتاد ان پر آن پڑی کچھ دیر بعد انہیں احساس ہوا کہ کوئی نہایت بے دردی سے انکی گردن کو وائر کی مدد سے دبائے انہیں مارنے کی کوشش کررہا تھا۔انکے دیدے ایک دم سے باہر نکل آئے تھے اور وہ بری طرح سے اپنے آپ کو چھڑوانے کی ناکام کوشش کرنے لگے۔انکا چہرہ لال ہو گیا تھا اور قریب تھا کہ وہ اپنی زندگی کی بازی ہار جاتے ،اس آدمی نے ایک دم سے زور کم کیا انہیں ٹانگ پھنسا کر زمین پر گرا دیا۔پھر اس نے ایک دم سے انہیں پلٹایا اور انکی آنکھیں بری طرح سے پھیل گئیں خوف سے وہ بری طرح سے تھر تھر کانپ رہے تھے۔وہ کوئی سیاہ نقاب پوش تھا جس نے انہیں نہایت بے دردی سے قتل کرنے کی کوشش کی تھی مگر اب اچانک اس نے اپنا ہاتھ روک لیا تھا۔پھر نقاب پوش نے فوراً اپنے کوٹ کی اندرونی جیب سے ایک رومال نکالا پھر اس نے پروفیسر کے پیٹ میں زور سے اپنی لات کی مدد سے ٹھوکر لگائی تو درد کی شدت سے انکا منہ کھل گیا،قاتل نے فوراً زبردستی رومال ان کے منہ میں ٹھونس دیا۔پھر اس نے انکی گردن میں لپٹی ہوئی وائر انکی گردن سے نکالی اور اسے بجلی کے پینل سے منسلک کر کے اس نے جیب سے ایک چھوٹا چاقو نکال کر وائر کو درمیان سے کاٹ کر اس کی ننگی وائرز پروفیسر کے جسم میں چبھونے کی کوشش کی تو انہوں نے خوف سے بری طرح سے کانپتے ہوئے

پیچھے ہٹنے کی کوشش کی تو نقاب پوش نے زور سے قہقہہ لگایا اور پھر وائر چھوڑ کر اس نے پروفیسر کو گھسیٹ کر پاس کیا اور پھر اس کے جسم پر نہایت حقارت کے ساتھ لگا دیا۔ پروفیسر نے بری طرح سے پھڑ پھڑانا شروع کر دیا ان کی حالت بہت خراب ہو رہی تھی اور قاتل ان پر تھوڑا سا بھی رحم کرنے کے موڈ میں نہیں تھا۔ اس پر جنون سوار تھا۔



اس دن وہ دونوں اسکول گئے ہوئے تھے اور چچا اور چچی اپنے کمرے بیٹھے جو گفتگو کر رہے تھے اس نے میرے رونگٹے کھڑے کر دیئے۔ میں نے چھپ کر وہ گفتگو سنی تھی اور میرا دل دھک دھک کر رہا تھا۔ چچا نے چچی سے کہا:

"ابا میں اگر تعصب نہ ہوتا تو شاید اتنے قتل نہ ہوتے۔ مانا کہ شکیل کا باپ مجھ سے بڑا تھا اور مجھ سے زیادہ پڑھا لکھا تھا لیکن اس کا یہ مطلب نہیں کہ ساری جائیداد شکیل کے باپ کے نام کر دی جاتی، اگر ایسا نہ ہوتا تو شاید آج میرا باپ اور شکیل کا باپ زندہ ہوتا۔۔۔۔۔ٹھیک ہے مجھ میں کچھ بری خصلتیں تھیں، جواء کھیلتا تھا، گندے لڑکوں کی وجہ سے سگریٹ وغیرہ کی لت پڑ گئی تھی۔ ایک دو دفعہ غلطی سے گولی چل گئی تو بندہ مارا گیا، پر تم جانتی ہو جب سے تم سے شادی ہوئی میں نے ایسا کچھ نہیں کیا۔ بلکہ میں نے اپنے آپ کو کافی بدلا ہے، میں انسان ہوں کوئی فرشتہ نہیں۔ اس جرم کی سزا مجھے یہ ملی کہ ابا نے مجھے گھر سے نکال دیا، میں در بدر پھرتا رہا، حد تو یہ ہے کہ کئی بار معافی مانگنے کے بعد بھی مجھے گھر نہیں گھسنے دیا اور پھر تم جانتی ہو انسان کو جب ہر طرف سے مجبور کر دیا جائے تو پھر وہ کرنا چاہیے جس کا اسے حق ہے۔ پھر تم نے اور میں وہ کیا۔ ابا کو جانا تھا سو وہ چلے گئے آج تک لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ بہادر خان

کی موت ہارٹ اٹیک سے ہوئی مگر سچ تو یہ کہ اسے سست زہر دیا گیا۔اسے دل کی بیماری تھی اور جس میڈیکل سٹور سے شکیل کا باپ انکے لئے ادویات لاتا تھا وہ میرا بہترین دوست تھا۔اسی کے مشورے پران کی ادویات میں انہیں سست زہر ملا کر دیا گیا۔ وہ درحقیقت زہر نہیں تھا اسکی ادویات میں جو ڈوز اسے دیا جاتا تھا اس میں کیمیائی اجزاء کی مقدار بہت کم تھی۔ہم نے اس مقدار کو خاص حد سے بڑھا دیا جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ بظاہر تو وہ ٹھیک رہتا تھا مگر اندر سے بالکل کھلوکھلا ہوتا جارہا تھا۔آہستہ آہستہ اس کا جسم برداشت کی وہ حد عبور کر گیا اور پھر وہ وقت آیا جب اسے شدید نوعیت کا دورہ پڑا اور اس کی موت واقع ہوگئی۔ مجھے بڑا افسوس ہوا کہ وہ بے چارہ یوں مارا گیا۔اگر اس نے کبھی مجھے اپنا بیٹا سمجھا ہوتا تو میں کبھی بھی اس کے ساتھ ایسا نہ کرتا۔باپ کی موت پر شکیل کا باپ غم سے نڈھال تھا۔میں نے اسے جا کر دلاسہ دیا تو وہ مجھے اپنا خیر خواہ سمجھنے لگا۔پھر اس نے ایک سال بعد شادی کر لی اور پھر میں نے اس کے کوئی چھ ماہ بعد تم سے شادی کی۔ پھر تم جانتی ہم نے گزشتہ چار سال کیسے گن گن کے گذارے ہیں۔ہمیں شکیل کی پیدائش کا انتظار تھا۔وہ پیدا ہوا تو اس کی ماں کو ہم نے ہسپتال میں نرس کو پیسے دے کر مروا دیا اور پھر بچہ ہمارے ہاتھ میں آ گیا۔ کیونکہ بہادر خان کی وصیت کے مطابق شکیل کے باپ یعنی احمد خان کی اولاد کے نام جائیداد کی گئی تھی ۔یا کم سے کم احمد خان نے مجھے یہی تاثر دیا تھا کہ جائیداد شکیل کے نام اس کی پیدائش سے قبل ہی کردی گئی تھی۔ جو کہ کافی حیران کن بات تھی،اب اس کے ہوتے ہوئے تو ہم جائیداد شکیل سے لے نہیں سکتے تھے اور ہمیں شکیل کے بالغ ہونے کا انتظار کرنا تھا۔اس کے لئے ضروری تھا کہ شکیل کی پرورش بھی ہم ہی لوگ کریں اور اسے ان پڑھ رکھیں تا کہ جائیداد ہمارے نام منتقل ہو جائے۔ میں نے خاندانی وکیل سے رابطہ کیا تھا مگر وہ کسی بھی صورت

میں بہادر خان کی وصیت نہیں دکھا رہا تھا۔ہم نے احمد خان سے بھی کئی بار بات کی تو وہ ٹال گیا۔پھر مجبوراً تم نے اور میں نے منصوبہ بنایا کہ کس طرح اسکا کار ایکسیڈنٹ کروایا جائے جو ہم نے کرایا۔میں نے اسکی کار کے بریکس فیل کر دیئے تھے بے چارہ ایک ٹرک میں جا کر بری طرح سے لگا تھا اور کار سمیت پچک کر رہ گیا۔ایسی بری موت کا تو میں نے کبھی خواب میں بھی نہیں سوچا نہیں تھا۔اس کی لاش پہچانی نہیں جا رہی ،اس کو تو ہم نے نا جانے کیسے شناخت کیا اور پھر اسے دفنانے کے بعد اب شکیل مکمل طور پر ہمارے ہاتھ میں ہے۔۔۔۔۔۔" چچا نے کہا اور میں حیران و پریشان تھا۔مجھے کچھ سمجھ نہیں آ رہی تھی کہ وہاں کیا گفتگو ہو رہی تھی۔۔۔۔۔۔"

☆☆☆

قاتل نے ایک دم سے ننگی وائر ہٹائی تو وہ اب بھی پھڑ پھڑا رہے تھے بلکہ کافی دیر تک پھڑ پھڑاتے رہے اور پھر بے ہوش ہو گئے جیسے انہیں اب بھی کرنٹ لگ رہا ہو۔اس اثناء میں قاتل ایک دم سے کمرے سے باہر نکل گیا کچھ دیر بعد جب وہ آیا تو اسکے ہاتھ میں ایک پٹرول کا بہت بڑا ڈبا تھا۔اس نے وہ پٹرول اردگرد موجود الماریوں پر چھڑکنا شروع کر دیا۔کچھ دیر بعد وہ مڑا اور اس نے ٹیبل پر موجود تمام چیزوں کے اوپر ڈال دیا۔اس وقت تک پروفیسر بھی جاگ گئے تھے اور بری طرح تڑپتے ہوئے وہ تمام منظر دیکھ رہے تھے۔پھر قاتل نے انہیں دیکھا اور حقارت سے قہقہہ لگاتے ہوئے انہیں اپنے کندھے پر لادا اور پھر وہ انہیں لئے ہوئے کمرے سے باہر نکلا تو باہر ایک گیلری تھی اس میں کمروں کی ایک طویل قطار تھی۔قاتل نے باہر نکل کر انہیں نہایت بے دردی سے زمین پر پٹخا اور پھر خود وہ اندر چلا گیا۔کچھ دیر بعد وہ اندر سے ایک کرسی کا لکڑی کا دستا اور پٹرول کا ڈبا لے کر باہر نکلا پھر

اس نے انہیں ایک سائیڈ پر رکھا۔پھر اس نے زبردستی پروفیسر کی شرٹ کے بٹن کھولنے شروع کر دیئے،اس کے بعد اس نے انکی شرٹ اتار کر اس کو کرسی کے دستے کے اوپر لپیٹا اور پھر اس پر پڑول چھڑکنے لگا۔اسکے بعد اس نے جیب سے لائٹر نکال کر اسکو جلایا اور پھر ایک دم سے شعلا چمکا اور اس شرٹ کو آگ نے پکڑ لیا اسکے بعد قاتل نے وہ دستا کمرے میں ایک الماری کے اوپر اچھال دیا دیکھتے ہی دیکھتے بھیانک آگ نے پورے کمرے کو اپنی لپیٹ میں لے لیا۔اس دوران پروفیسر اپنے اعصاب پر قابو پا چکے تو انہوں نے اپنے جسم میں موجود پوری قوت کا استعمال کرتے ہوئے کپڑا نکال کر زور زور سے چلانا شروع کر دیا تھا۔

"ہیلپ پلیز ہیلپ ۔۔۔۔۔ یہ یہ جنونی سب کچھ فنا کر دے گا۔۔۔۔۔۔"ان کی آواز بہ مشکل دوسرے کمرے تک جا سکی تھی کہ قاتل نے ایک اور قہقہہ لگایا اور پھر گویا ہوا۔۔۔"میرے دل کو بہت سکون ملتا ہے جب کوئی ریاضی دان اپنی زندگی کی بھیک مانگتا ہے۔۔۔۔۔چیخو چیخو اور چیخو۔۔۔۔۔کیونکہ اب تمہاری زندگی کے چند لمحے گنے جا چکے ہیں۔اس کے بعد تم اپنے جہنم میں ہو گے۔۔۔ہاہاہا۔۔۔۔۔۔۔۔"پھر اس نے اپنی مکروہ مسکراہٹ کے ساتھ آگے بڑھتے ہوئے اسکی گردن میں اپنے مضبوط ہاتھ ڈال دیئے اور پھر انکا گلا دبانے لگا۔قاتل کی آنکھیں بری طرح سے لال ہو رہی تھیں۔دیکھتے ہی دیکھتے انکی آنکھیں بے نور ہوتی چلی گئیں۔

☆☆☆

"۔۔۔۔۔۔یہ سب تو میں جانتی ہوں،مگر تم شکیل کو کیسے قابو کرو گے۔لڑکا اب جوان ہو رہا ہے اور یہ تو ہو نہیں سکتا کہ ہم زیادہ دیر تک اسے اپنے ہاتھ میں رکھیں اور تم جانتے ہو وہ کتنا ذہین ہے۔بچوں کا ہوم

ورک ان سے زیادہ پھرتی سے کرلیتا ہے اور بچے منہ تکتے رہ جاتے ہیں۔اس دن تم نے ٹھیک ٹھاک دھنائی کی دل خوش ہوگیا مگر کب تک تم اس پر مار کٹائی کرتے رہو گے؟ کہیں لڑکا باغی ہوگیا تو یہ ساری جائیداد ہمارے ہاتھ سے نکل جائے گی۔ اگر اس نے خودکشی کرلی تو یہ تمام جائیداد ایک ٹرسٹ میں چلی جائے اور ہم پاگلوں کی طرح ٹکریں مارتے رہ جائیں گے کئی سالوں کی محنت غارت ہوجائے گی۔ہمیں اس بات کو بھی ذہن میں رکھنا ہوگا۔۔۔"اس بار چچی نے کہا تو میرا جسم تھر تھر کانپنے لگا مجھے کچھ سمجھ نہیں آرہی تھی کہ وہ کیا کہہ رہی ہیں مگر اب جب ان باتوں پر غور کرتا ہوں تو مجھے تمام حقیقت کھل کر سمجھ آجاتی ہے۔میرے آنسو بہہ رہے تھے اور دل تیزی سے دھڑک رہا تھا۔ مجھے کچھ سمجھ نہیں آرہی تھی کہ میں کیا کروں؟ ہر پل میری آنکھوں کے سامنے اندھیرا چھا رہا تھا۔ایسا لگتا تھا کہ میں ابھی گر کر مر جاؤں گا۔مگر قدرت کو مجھے ابھی اور آزمانا تھا، وہ لمحات میرے لئے انتہائی کھٹن تھے۔میں زندہ ہوکر بھی زندہ نہیں تھا، مجھے اپنی ساعتوں پر یقین نہیں آرہا تھا کہ چچا اور چچی کس قسم کی گفتگو کررہے تھے۔بہت سی باتیں میرے اوپر سے گذر گئی تھیں اور جو بات سمجھ آئی تھی وہ یہ کہ چچا اور چچی دونوں قاتل ہیں۔مگر کس کے یہ بات میرے پلے نہیں پڑ رہی تھی۔۔۔۔

"نہیں تم بے فکر رہو ایسا کچھ نہیں ہوگا،لڑکا ہمارے ہاتھ میں ہے اور وہیں رہے گا۔اسے ہمارے ہاتھوں میں ہی رہنا ہے وہیں رہے گا۔ جتنا ڈر کر رہے گا اتنا ہمارے لئے اچھا ہے،اس کو ہمیشہ ڈرا کر ہی رکھنا ہے تاکہ یہ کبھی سر نہ اٹھا سکے اور جوں ہی یہ اپنے ہی ہاتھوں اپنی جائیداد ہمارے حوالے کرے گا ہم اس کا سر کچل دیں گے۔ہاہاہا۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔"چچا کے یہ کہتے ہی دونوں قہقہہ لگا کر ہنسنے لگے۔میرا دل بری طرح سے دھڑک رہا تھا۔ مجھے سمجھ نہیں آرہا تھا کہ میں کیا کروں۔میں نے گھر سے

بھاگنے کا فیصلہ کرلیا، ڈر اور خوف میں میرا دماغ مجھے کہہ رہا تھا کہ یہاں سے چلے جانے میں ہی عافیت ہے۔



اقوام متحدہ کی وسیع وعریض عمارت کے ایک میٹنگ روم میں یورپ میں ہونے والے مختلف ہنگاموں کے اوپر آج ایک بہت ہی اہم میٹنگ ہونی تھی۔ یورپ بھر میں سیاہ نقاب پوش نے اپنی پراسرار کاروائیوں کی وجہ سے سب کو پریشان کیا ہوا تھا۔ گذشتہ ایک ہفتے میں یورپ کے تقریباً ہر ملک میں انکے سب سے بڑے ریاضی دانوں کو انتہائی بے دردی سے موت کے گاٹ اتار دیا گیا تھا۔ سب لوگ بہت پریشان تھے اور قاتل کا خوف اس قدر بڑھ گیا تھا کہ سب نے اس خفیہ میٹنگ سے قبل اقوام متحدہ کی پوری عمارت سمیت اس پورے ایریا کو ایکریمیا کی فوج کے حوالے کر دیا تھا نہ صرف یہ بلکہ یہاں پر عمارت اور اسکے گردونواح کی مکمل فضائی نگرانی بھی ہورہی تھی۔ اسکیوریٹی کو ہائی الرٹ کرنے کی بنیادی وجہ اقوام متحدہ کے جنرل سیکٹری کا خود ریاضی دان ہونا تھا۔ ینگ پانگ شو کا تعلق ویت نام سے تھا، اور ان کی ریاضی کے حوالے سے بے پناہ خدمات کو دیکھتے ہوئے انہیں اعزازی طور پر یہ عہدہ دیا گیا تھا۔ پورے یورپ میں تابوت اور پھر ان میں موجود لاشوں نے سب کو تشویش میں مبتلا کر دیا تھا۔ ان سب کے تابوت مختلف جگہوں سے ملے تھے اور تاحال قاتل کا بالکل سراغ نہیں ملا تھا۔ اسی لئے یورپ سمیت ایکریمیا، روس اور دنیا کے ترقی یافتہ ممالک کی طرف سے اس خفیہ میٹنگ کو کال کیا گیا تھا تاکہ اس مسئلے کو جلد از جلد حل کیا جائے۔ تابوت میں لاشوں کا سلسلہ سا گالینڈ سے شروع ہوا تھا اور رفتہ رفتہ اس نے پورے یورپ کو اپنی لپیٹ میں لے لیا تھا۔ یہ میٹنگ اقوام متحدہ

کی عمارت کے اندر ایک میٹنگ روم میں ہو رہی تھی، یہ ایک ہال نما کمرہ تھا جس میں ایک بہت بڑی میز کے چاروں طرف مختلف ممالک سے خصوصی نمائندے بیٹھے ہوئے تھے اور اب پروفیسر ینگ پانگ شو کا انتظار تھا۔اس خفیہ میٹنگ کی سربراہی وہ خود کر رہے تھے۔جوں ہی وہ کمرے میں داخل ہوئے سب لوگ انکے احترام میں کھڑے ہو گئے۔وہ پروقار انداز میں چلتے ہوئے اپنی کرسی پر آکر بیٹھے اور پھر ان عظیم ریاضی دانوں کی یاد میں سب لوگوں نے تین منٹ کی خاموشی اختیار کی اس کے بعد سیکٹری جنرل نے اپنی گفتگو شروع کرتے ہوئے کہا۔

"محترم قابل احترام شرکاء جیسا کہ آپ سب لوگ جانتے ہیں کہ اس میٹنگ کو کال کرنے کا مقصد گذشتہ ایک ہفتے میں ہونے والے یورپ میں ہنگامے ہیں۔جنہوں نے ہر آنکھ کو آنسو بہانے پر مجبور کر دیا ہے۔قاتل پوری انسانیت کے اوپر بہت بڑے مظالم کر رہا ہے۔ایسا معلوم ہوتا ہے کہ قاتل کا ارادہ پوری صفحہ ہستی سے ریاضی دانوں کو مٹانا ہے۔اگر ایسا ہوا تو یہ اس صدی کا سب بڑا المیہ ہوگا،اس کی جتنی بھی مذمت کی جائے وہ کم ہے۔مگر ہمیں مذمت سے آگے بڑھ کر سوچنا ہوگا اور آج کی اس میٹنگ میں عملی اقدامات کے حوالے سے اہم فیصلے کرنے ہونگے، میں خود ایک پروفیسر ہوں اور آپ سب لوگ میری بے پناہ خدمات سے واقف ہیں۔ایک ریاضی دان کی حیثیت سے اپنے دیگر دوستوں کا یوں قتل عام ہونا برداشت سے باہر ہے۔آپ یقین کریں ان تمام واقعات کو دیکھتے ہوئے میرا کلیجہ منہ کو آتا ہے، دل خون کے آنسو روتا ہے۔ایک سوچی سمجھی سازش کے تحت ان سب ریاضی دانوں کو قتل کیا جا رہا ہے۔ان تمام واقعات کی ابتداء سا گالینڈ سے ہوئے جہاں پر مجھے امید تھی کہ کرنل فریدی ان تمام واقعات کی کڑیاں ملا کر قاتل کو لازمی پکڑلیں گے۔مگر وہ بھی ناکام رہے، بلکہ

بعض اطلاعات تو یہ ہیں کہ کرنل فریدی اب حیات نہیں۔قاتل نے انہیں بھی قتل کر دیا ہے جو بہت ہی افسوسناک بات ہے۔وہ انتہائی قابل شخص ہیں،اگر ایسے واقعات ہوتے رہے تو دنیا کو اس کا نا قابل تلافی نقصان ہوگا اور آپ یقین کریں ہم اپنی آنے والی نسلوں کو کہیں بھی منہ دکھانے کے قابل نہیں رہیں گے۔دنیا میں اب انتہائی تیزی کے ساتھ ترقی ہو رہی ہے اب ہم مریخ کو بھی تسخیر کر چکے ہیں تو یہ سلسلہ رک جائے گا۔جسکا خمیازہ پوری دنیا کو بھگتنا پڑے گا اور بطور ریاضی دان میں یہ ہرگز نہیں چاہوں گا کہ ایسا ہو۔دنیا کے آج یہاں پر بہترین دماغ مدعو ہیں میری آپ سب سے گذارش ہوگی کہ برائے مہرابانی آپ سب بھی اس مسئلے پر اپنی اپنی رائے کا اظہار کریں اور اگر ہو سکے تو اس مسئلے سے نپٹنے کا حل بھی بتائیں تا کہ یہ خونی کھیل بند ہو سکے۔۔۔۔۔"ابھی ان کی بات ختم ہی ہوئی تھی کہ ایک دم سے انکے اوپر موجود روشن دان کو کوئی توڑ کر اڑتا ہوا نیچے آیا اور پھر اس نے ایک دم سے اپنی جیب سے خنجر نکالا اور پروفیسر صاحب کی گردن کے ساتھ لگا کر انہیں اپنی کرسی سے کھڑا کر لیا۔یہ وہی سیاہ نقاب پوش تھا جس نے پوری دنیا میں اپنے خوف کی وجہ سے تھرتھلی مچائی ہوئی تھی اور حیرت انگیز طور پر وہ اس عمارت میں تمام اسکیورٹی کو توڑ کر پہنچ گیا تھا۔سب لوگ اسے دیکھتے ہی کھڑے ہو گئے۔

"خبردار اگر کوئی بھی اپنی جگہ سے ہلا تو۔۔۔۔۔۔سب اپنی کرسیوں پر واپس بیٹھ جاؤ ورنہ پروفیسر کی شہ رگ کٹنے میں ایک لمحہ بھی نہیں لگے گا۔"اس نے خونخوار لہجے میں کہا سب لوگ واپس اپنی کرسیوں پر بیٹھ گئے۔



"۔۔۔۔۔۔۔۔میں نے آرام سے باہر کا دروازہ کھولا اور گلی میں آ گیا،سورج غصے میں تھا۔اس

کی شعاعیں بدن کو جھلسا رہی تھیں مگر پیچھے موت تھی اور وہ بھی سب سے زیادہ خطرناک ۔ میں سارا دن سڑکوں پر بھاگتا اور چھپتا رہا۔ مجھے کچھ سمجھ نہیں آ رہا تھا کہ میں کیا کروں ۔میری حالت خراب ہو رہی تھی ۔میں نے سوچا کہ کیوں ناں کسی ہوٹل میں جا کر کسی سے کچھ کھانے کو مانگ لوں اگر نہ ملے تو پھر کچھ الگ سوچوں گا۔ بھاگ بھاگ کر اور زمین پر نجانے کہاں کہاں بیٹھ کر کپڑے بھی خراب ہو گئے تھے۔میں نے ہوٹل میں گھس کر روٹی مانگی تو انہوں نے مجھے شرم سار کر کے بھگا دیا۔میں ایک ایک ہوٹل میں جاتا کہ کوئی اللہ کے نام پر ہی کچھ کھلا دے سب نے مجھے فقیر سمجھ کر دھتکار دیا۔سورج کہیں غائب ہوتا جا رہا تھا اور اس کی جگہ رات اپنے بھیانک پنجے گھاڑ رہی تھی ۔ مجھے رات سے بہت ڈر لگتا تھا کیونکہ رات میں اندھیرا ہوتا ہے اور ڈر کی بنیادی وجہ اندھیرا ہی ہوتا ہے۔اندھیرا بہت بے رحم ہوتا ہے دنیا کے بہت سے راز اسی اندھیرے میں چھپے ہوئے ہیں۔ خیر وہ پوری رات میں نے ایک فٹ پاتھ پر گزاری ساری رات آوارہ کتے مجھے ستاتے رہے۔اس رات میں نے سیکھا کہ اپنے ڈر پر کیسے قابو پانا اور باہر موجود خوفناک قوتوں سے کیسے لڑنا ہے۔میرے لئے وہ رات سب سے بھیانک تھی ،اس رات میں نے ڈر کو اپنی آنکھوں کے سامنے دیکھا۔تب مجھے رات کی حقیقت معلوم ہوئی۔رات جتنی دیکھنے میں کالی اور بری لگتی ہے اتنی ہوتی نہیں۔ میں ساری رات اندر ہی اندر اپنے آپ قابو پاتا رہا۔ میں اگلی تین راتیں اپنے آپ پر مکمل حاوی ہو چکا تھا۔ مجھے پتہ چل گیا تھا کہ بھوک اور پیاس کے ساتھ زندگی کیسے گزاری جاتی ہے۔زندگی کیا ہے لوگ جاننے کے لئے سال ہا سال لگا دیتے ہیں میں نے تین راتوں میں سیکھ لیا تھا کہ زندگی ایسے نہیں گزر سکتی۔۔۔۔"



نقاب پوش کا دھمکی آمیز اعلان سنتے ہی سب لوگ سہم کر اپنی کرسیوں پر بیٹھ گئے تھے۔اس سے قبل کے مزید کوئی کاروائی ہوتی ،سامنے کے روشن دان کو کوئی توڑ کر ایکدم سے کود کر اندر گرتے ہی کھڑا ہو گیا وہ ایک اور نقاب پوش تھا۔

"خبردار زیادہ ہوشیاری مت دکھانا ،تم جو کوئی بھی ہو دور رہو یہاں سے۔۔۔۔۔۔۔۔۔" پہلے نقاب پوش نے چیختے ہوئے دوسرے نقاب پوش کو کہا تو اگلے ہی لمحے دوسرے نقاب نے اپنے چہرے سے نقاب ہٹا دیا۔اسے دیکھ کر سب لوگ حیران رہ گئے ،یہاں تک کہ پہلا نقاب پوش بھی اپنی حیرت نہ چھپا سکا۔۔

"تم۔۔۔۔۔تم ابھی زندہ ہو۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔لیکن میں نے تو تمہیں خود اپنے ہاتھوں سے گولی ماری تھی۔۔۔۔یہ یہ۔۔۔نہیں ہوسکتا۔۔" پہلے نقاب پوش نے حیرت سے آنکھیں پھاڑتے ہوئے کہا۔۔۔۔۔

"ایسا ہی ہوا ہے۔۔۔مسٹر سیاہ نیولا عرف شکیل خان۔۔۔۔۔۔۔اگر ایسے فریدی نے مرنا ہوتا تو اب تک کئی بار مر چکا ہوتا۔بس اب تمہارا یہ مکروہ کھیل ختم ،بہت ہو گیا تمہارا یہ کھیل۔۔۔۔۔۔" یہ کہتے ہی کرنل فریدی نے اپنے پینٹ میں اڑسا ہوا خنجر نکالا اور پھر اسے مخصوص انداز میں اس نے سیاہ نقاب پوش کی طرف چلا دیا۔وہ تیزی سے گھومتا ہوا سیدھا اس کے ہاتھ کی کہنی پر لگا جس پر اس نے خنجر اٹھایا ہوا تھا۔خنجر لگتے ہی اس کے ہاتھ سے خون کا فوارا نکلا اور اس کے ہاتھ سے خنجر چھوٹ گیا۔ پس وہی لمحہ اس پر بھاری ثابت ہوا پلک جھپکنے میں فریدی نے اس پر جسد لگائی اور پھر فضا میں اڑتا ہوا وہ اس کے جانب بڑھنے لگا۔فریدی کو آتے دیکھ کر پروفیسر ایکدم سے زمین پر گر کر سائیڈ پر ہو گئے

کیونکہ نقاب پوش کی گرفت اب بالکل ڈھیلی پڑ چکی تھی۔فریدی اسے لیتا ہوا زمین پر گرا پھر اس نے دو تین گھونسے اس کے جبڑے پر رسید کیئے اور پھر اس کے چہرے سے اس نے نقاب ہٹا دیا۔نقاب ہٹتے ہی اس کا مکروہ چہرہ سامنے آ گیا۔اس کا چہرہ ایک سائیڈ سے مکمل طور جلا ہوا تھا۔جیسے کسی نے تیزاب چھڑک کر اسے جلایا ہو۔۔۔۔

"بس اب تمہاری لاش ہی تابوت میں جائے گی۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔"

☆☆☆

شکیل خان عرف سیاہ نیولا اس وقت ایک کمرے میں بیٹھا اپنی روئیداد سنا رہا تھا جبکہ اس کے سامنے فریدی ،حمید اور اقوام متحدہ کے خصوصی تفتیشی افسران بیٹھے ہوئے تھے۔اس کا چہرہ جھکا ہوا تھا اور کمرے میں کیمرہ آن تھا۔اس کا تمام بیان کیمرے پر ریکارڈ ہو رہا تھا۔ایسے میں فریدی گویا ہوا:

"دیکھو مسٹر مجھے تم سے ذرا برابر بھی ہمدردی نہیں ہے۔اپنے بیان کو مختصر کرو اور فوراً مدعے پر آؤ کہ تم نے یہ سب جرائم کیوں کیئے ہیں؟۔۔۔ہمیں تمہاری زندگی سے کچھ لینا دینا نہیں ہے۔۔۔۔"سیاہ نیولا نے گہرا سانس لیا اور پھر اس نے اپنا سلسلہ کلام جاری رکھتے ہوئے کہا:۔

"مجھے پڑھنے کا بہت شوق تھا،فٹ پاتھ پر چوریاں کر کے بڑی مشکلوں سے میرا پیٹ بھرتا تھا۔میں نے فیصلہ کیا کہ کوئی لمبا ہاتھ مارنا چاہیے تاکہ میرے ہاتھ میں پیسے آئیں اور میں آگے پڑھنے کے قابل ہوسکوں۔میں نے ایک امیر شخص کے یہاں بڑی مشکلوں سے ملازمت حاصل کی اور پھر اسکے زیرِ نگرانی میں نے بہت سے کام سیکھے اس نے مجھے ڈرائیونگ سے لیکر پستول چلانا سب سیکھایا۔وہ کافی مہربان سیٹھ تھا جس نے اپنی محنت سے سب کچھ بنایا تھا۔اس کا نام سیٹھ فہد تھا،اس نے مجھے اعلی

تعلم دلوانے کا فیصلہ کیا۔ وہ تنہا رہتا تھا، مگر غصے کا بہت سخت تھا۔ اس نے بھی مجھے مارنا شروع کر دیا۔ وہ جتنا مہربان تھا اتنا ہی سخت بھی، میں اس سے بھی ڈر کر رہنے لگا۔ اس نے ساری زندگی شادی نہیں کی تھی اور تنہا ہی زندگی گزارتا تھا۔ تبھی بہت غصیلی طبیعت کا تھا۔ اس نے مجھے فوراً ایک اسکول میں آٹھویں میں داخلہ دلوا دیا اور میں نے پوری کلاس میں ٹاپ کیا۔ مجھے بہت خوشی تھی سیٹھ فہد بھی کافی خوش ہوا۔ میرے ریاضی میں سو میں سے سو نمبر آئے تھے اور میں نے سرکاری امتحان میں ٹاپ کیا تھا۔ زندگی کی گاڑی چلتی رہی رفتہ رفتہ میں نے میٹرک بھی نمایاں نمبروں سے پاس کیا۔ جس میں خاص بات یہ تھی کہ میں نے ریاضی کے مضمون میں ایک بار پھر ٹاپ کیا تھا۔ وقت گذرتا رہا اور وہ سیٹھ بیمار پڑ گیا، میرا داخلہ گیارہویں جماعت میں ہوا اور بس وہاں سے میری زندگی کا سب سے برا وقت شروع ہو گیا۔ وہاں ریاضی کا استاد قادر پٹیل پڑھانے آتا تھا وہ اپنے آپ کے علاوہ باقی سب کو حقیر سمجھتا تھا۔ خاص طور پر ریاضی میں تو اپنے برابر کسی کو نہیں سمجھتا تھا۔ وہ غرور اور تکبر کے آخری درجے پر تھا۔ پس یہی بات مجھے معلوم نہیں تھی، میرا حوصلہ کافی بلند تھا۔ ایک دن کلاس میں وہ ایک ریاضی کے سوال پر پھنس گیا تو میں نے وہ فوراً حل کر دیا جبکہ پوری کلاس خاموش تھی۔ جیسا کہ میں پہلے بتا چکا ہوں کہ میں کافی ذہین تھا اور میرا ذہن ریاضی میں باقی تمام مضامین کی نسبت زیادہ چلتا تھا۔ اس لئے میں دیر لگائے بغیر وہ مسئلہ حل کر دیا جس میں میرا استاد پھنسا ہوا تھا پس اس دن سے میری شامت کا آغاز ہو گیا۔ اسے میرا سوال حل کرنا ایک آنکھ نہ بھایا۔ وہ اپنے آپ کو سب سے بڑا پروفیسر سمجھتا تھا۔ پھر اس دن کے بعد میرے اوپر ظلم وتشدد کی انتہا ہو گئی وہ میرے وجود سے سخت نفرت کرنے لگا۔ ہر بار کلاس میں بے عزتی کرنا اس کا معمول بن گیا۔ اس نے مجھے گیارویں میں فیل کیا حالانکہ میں آج

بھی پورے یقین سے کہہ سکتا ہوں کہ میرے ریاضی میں سونمبر تھے۔ پھر دوسرے سال بھی اس نے مجھے فیل کیا اور نہ صرف یہ بلکہ میرٹھکائی الگ پورے کالج کا چکر لگوانا الگ ۔ وہ استاد نہیں ایک ذہنی مریض تھا جس نے مجھے ہمیشہ کے لئے ریاضی سے متنفر کر دیا۔اس نے مجھے سپلی میں بھی فیل کیا اور نہ صرف یہ کہ اس کی حد اور جنون کی انتہا یہاں تک نہ رہی بلکہ اس کے خاص شاگردوں نے گھر آ کر مجھ پر تیزاب بھی پھینک دیا۔جس سے میرا پورا چہرہ جل گیا۔میں ہسپتال رہا میرا اعلاج ہوتا رہا۔میں نے ریاضی کے مضمون اور تعلیم سے ہمیشہ کے لئے توبہ کر لی ۔ہسپتال سے فارغ ہوا تو سیٹھ فہد کا انتقال ہو چکا تھا اس نے تمام جائیداد میرے نام کر دی تھی ۔ میں نے اس کی خدمت بھی بہت کی تھی ،اب میرے اندر وہ آتش فشاں تھا جو کبھی ختم نہیں ہو سکتا تھا۔میں نے یورپ اور ساری دنیا کے چکر لگائے اور پھر امریکہ کے سب سے بڑے سیلف ڈیفنس کے انسٹیٹیوٹ میں داخلہ لے لیا۔وہاں میں نے اپنے بچاؤ کے لئے دنیا جہاں کے علوم سیکھے ۔جس میں مارشل آرٹس بھی شامل تھا۔میرے دل میں جو نفرت کی آگ بھری ہوئی تھی وہ بجھانا آسان نہیں تھا۔اس کے بعد میں نے فیصلہ کر لیا تھا کہ اب دنیا میں نہ ریاضی رہے گی اور نہ ہی ریاضی دان خواہ کچھ بھی ہو جائے۔ کیونکہ اس نے میرا کیریئر تباہ کر دیا تھا۔ ورنہ شاید میں آج دنیا کا سب سے بڑا ریاضی دان ہوتا۔ میں نے فیصلہ کر لیا تھا کہ اب سیاہ نیولا بن کر اپنی پہچان چھپا کر پوری دنیا کو بتا دوں گا کہ جس دنیا نے مجھے حقیر کیڑا مکوڑا سمجھا ہے اب میں اسی دنیا میں ریاضی کا نام ونشان مٹا دوں گا۔خدا نے اگر مجھ سے بہت سی چیزیں چھینی تھیں تو بہت سی خداداد صلاحیتیں میرے اندر بھر دی تھیں اور ان میں سے ایک صلاحیت لیڈرشپ کی بھی تھی۔ میں کسی کو بھی اپنا غلام بنا لینے کی صلاحیت رکھتا ہوں ۔اسی چیز کا فائدہ اٹھا کر میں نے دنیا بھر کے چکر لگائے اور اپنے

لئے ان غلاموں کو تلاش کرنے لگا جو وقت آنے پر میرے لئے جان بھی دے سکتے ہیں۔ میں پندرہ سال بعد سا گالینڈ واپس لوٹا اور ہر طرف صرف کرنل فریدی اور اس کی بلیک فورس کا چرچا سنا۔ میں نے سوچ لیا تھا کہ اگر میں نے اپنی وارداتیں کرنی ہیں تو کرنل فریدی سے بچا کر۔ میں کوئی پانچ سال تک اس استاد کو تلاش کرتا رہا جس نے میرا مستقبل تباہ کر دیا تھا۔ وہ مجھے نہ ملا تو میں اپنے آپ کو زیادہ دیر روک نہیں سکتا تھا۔ لہذا میں نے اپنے شکاروں کی مکمل لسٹ بنائی جن کو میں ٹارگٹ کرنا چاہتا تھا۔ وہ تمام شکار میرے لئے پروفیسر پٹیل جیسے ہی تھے۔ میں تہیہ کرلیا تھا کہ ان کے اوپر وہ ظلم کروں گا کہ پوری دنیا کے لئے وہ لوگ عبرت بن جائیں۔ اور میرے ضمیر پر کوئی بوجھ نہیں میں نے جو کیا بالکل ٹھیک کیا۔ سب سے پہلے میں نے چچا اور چچی کو تلاش کروایا اور پھر انہیں انکے بچوں سمیت اسی گھر میں بند کر کے زہریلی گیس چھوڑ کر پوری فیملی کو ہی مار دیا۔ اب وہ جائیداد جو تھی ہی میری، میرے ہاتھ آ گئی تھی۔ میں نے روہت بینک کے مالک روہت کی ریکی کروائی تو پتہ چلا کہ اس کے ایک ایسی کمزوری ہے جس سے فائدہ اٹھا کر میں اپنا مقصد پورا کرسکتا ہوں۔ اپنی تمام واداتوں کو انجام دینے کے لئے اور ریاضی کو صفہ ہستی سے مٹانے کے لئے ضروری تھا کہ میں کوئی بھی نشان اپنے پیچھے نہ چھوڑوں اور ہر ریاضی دان کو رہتی دنیا تک ایک مثال بنادوں۔ روہت کی کمزوری یہ تھی کہ وہ دولت کا پجاری تھا اور اکثر کیسینو جا کر جوا کھیلتا تھا اور یہ بات اس کی بیوی کو پتہ نہیں تھی۔ اسکی بیوی بہت نمازی پرہیز گار ہے، اگر اس کو اس کے اعمالوں کا پتہ چل جاتا تو اس کی بیوی اسے ہمیشہ کے لئے چھوڑ کر چلی جاتی اور یہ بات وہ کبھی برداشت نہیں کرسکتا تھا۔ پس میں نے اسے مختلف پیغامات بھجوا کر ٹریپ کیا وہ میری بلیک میلنگ میں آ گیا اور پھر اسے میں نے مجبور کیا کہ وہ اپنے بینک سے تمام سی سی

ٹی وی کیمرے ہٹا دے۔ اپنے تمام لاکرز ہٹا کرانہیں خصوصی طور پر تابوت کے سائز کے بنوائے۔اس نے ایسا ہی کیا پھر میرے آدمیوں نے اپنی نگرانی میں اس خاص لاکر میں لاش رکھوائی جو رشیدہ کو ملنا تھی۔انور چونکہ میڈیا کا رپورٹر تھا اس لئے میں اس کے ذریعے پورے میڈیا پر اپنا خوف بٹھانا چاہتا تھا جو کہ بعد میں ایسا ہی ہوا۔انور اپنے دوست کو راضی کرنے کی خاطر رشیدہ کو لیکر بینک لاکر کھلوانے لایا اور پھر انور کے ذریعے میرا خوف پورے مغل آباد میں پھیل گیا۔حقیقت یہ ہے کہ وہ استعمال ہوا اور بری طرح سے ہوا۔ میں استادوں کو اغوا کرتا انہیں اپنے خفیہ پوائنٹ لے جاتا اور پھر ان پر بے پناہ تشدد کر کے انہیں مار کر انکی لاشیں پبلک جگہوں پر رکھوا دیتا۔تیسری لاش کے لئے میں نے ریلوے کے عملے کو خرید کر ان کے ذریعے لاش بزنس کلاس کے واش روم میں رکھی اور پھر روشن دان پیچ کس سے کھول کر وہاں سے باہر نکلا اور پھر باہر نکل کر روشن دان کو الٹا کر کے باہر کی طرف سے دوبارہ بند کر کے وہاں سے میں فرار ہو گیا۔ یہ سارا عمل رات کے وقت ہوا جہاں ایک مقامی اسٹیشن پر ٹرین رکی تو آدھے گھنٹے میں یہ سارا عمل ہو گیا۔ جب ٹرین مغل آباد رکی تو تب جا کر لاش برآمد ہوئی۔ چوتھی لاش کے لئے خاص طور پر ائیر پورٹ کے خاص افراد کو خرید کر یہ عمل کیا گیا۔جس میں جہاز میں تکنیکی خرابی پیدا کر گئی تا کہ پروفیسر کو ائیر پورٹ پر ہی قتل کیا جا سکے۔ یہ سارا کام انتہائی خاموشی سے ہوا اور تابوت کو خفیہ طور پر ائیر ہوسٹس کے کیبن میں رکھ دیا گیا۔

جب طیارہ ساگالینڈ اترا تو میرے آدمیوں نے تابوت کو سیٹوں کے درمیان اس طرح رکھ دیا کہ کسی کو بھی خبر نہ ہوئی۔اسکے بعد کرنل فریدی کی آمد ہوئی۔تمہارے سارے آدمی پورے ساگالینڈ میں پھیل گئے اور انہوں نے میرے لئے مزید کاروئیاں کرنا ناممکن کر دیا۔اس لئے یہ ضروری تھا کہ تمہیں پھنسا

کر ایک سائیڈ پر لایا جائے۔اسی مقصد کے لئے تمہیں اس قلعے میں پھنسا کر لایا گیا اور پھر میں نے تمہیں خود اپنے ہاتھوں سے مارا مگر تم نہ جانے کیسے بچ گئے یہ یہ ناممکن ہے۔۔۔۔۔۔۔۔۔" سیاہ نیولا نے اپنی پوری کہانی سناتے ہوئے اپنی تمام وارداتوں کا احوال بھی بیان کر دیا۔

"اگر فریدی نے اس طرح مرنا ہوتا تو کب کا مر گیا ہوتا جسے اللہ رکھے اسے کون چکھے؟۔مجھے گولی لگی تھی اور میں سیدھا پانی میں جا گرا تھا اور پھر اسکی موجوں کے سہارے بہتا ہوا بہت دور ایک قبیلے میں جا پہنچا۔ وہ لوگ بظاہر شہری زندگی سے دور دیہاتی زندگی گزار ہیں۔انہوں نے میرا اعلاج کیا، اور مجھے ایک خاص جنگلی جڑی بوٹی لگاتے رہے۔جس کا اثر فوراً اور دیرپا ہوتا ہے۔انہی کے اعلاج کی وجہ سے آج میں زندہ ہوں۔مگر تمہیں اب انٹرنیشنل کورٹ آف جسٹس میں لے جایا جائے۔اگر تمہارا بدلہ ایک انسان کی حد تک رہتا تو تم شاید بچ سکتے تھے مگر اب نہیں۔تمہارے جسم کو اسی طرح کلہاڑے سے کٹ لگا کر مارا جائے گا اور اس کے بعد تمہیں تابوت میں بند کر کے تمہاری لاش کو سمندر کے حوالے کر دیا جائے گا۔یہ بھی ممکن ہے کہ فرعون کی طرح تمہیں پانی بھی قبول نہ کرے تو تمہاری لاش باقاعدہ حنوط کر کے لندن کے میوزیم میں رکھوا دی جائے گی۔تم ساگالینڈ کے نہیں پوری انسانیت کے قاتل ہو اور تمہارا انجام سخت سے سخت ہوگا۔اب تمہیں عبرت کا نشان بنایا جائے گا تاکہ آئندہ آنے والی نسلوں میں بھی کوئی سیاہ نیولا نہ پیدا ہو۔۔" کرنل فریدی نے غراتے ہوئے اسے گھور کر کہا اور پھر وہ باقیوں کے ساتھ اٹھ کر تیزی سے کمرے سے نکل گیا۔

ختم شد

جھنم کے سوداگر(صرف اردو فینزپر)

روای :وقار علی جان مصنف:محمد جبران

ہ ایک ایسے انسان کی خودنوشت جو پاکستان کے سب سے بڑے خفیہ ادارے کا جاسوس تھا مگر اس نے اپنی شناخت تبدیل کر کے یہودیت اختیار کر لی کیوں اور کیسے؟

ہ ایک ایسے انسانی کی آپ بیتی جس کے سینے میں مسلمانوں، یہودیوں اور عیسائیوں کی لاشوں کا ایک چیختا ہوا قبرستان تھا مگر وہ مجبور تھا حالات نے اس کے ہاتھ پیر باندھ دیئے تھے۔۔۔۔ پھر؟

ہ **جہنم کے سوداگر:** جنھوں نے انسانی دنیا کو مکمل طور پر جہنم میں تبدیل کرنا کا منصوبہ بنا لیا تھا اور وقار علی جان سب کچھ جانتے ہوئے بھی انہیں نہ روک سکا۔ کیوں؟ آخر جہنم کے سوداگر کون تھے؟

ہ **جہنم کے سوداگر:** جنھوں نے اپنے مکروہ کھیل کو عملی جامہ پہنانے کے لئے مسلمانوں کے ملکوں کے ملک ایک ایک کر کے صفہ ہستی سے مٹانا شروع کر دیئے۔ وہ لمحہ جب مسلمان ایک دوسرے کے جانی دشمن بن گئے اور انہوں نے ایک دوسرے کی گردنیں اڑانا شروع کر دیں ۔آخر کیوں؟

ہ **ورلڈ وار تھری:** وہ لمحہ جب جہنم کے سوداگروں نے پوری دنیا کو آپس میں لڑا دیا اور قریب تھا کہ ورلڈ وار تھری ہو جاتی۔۔۔ مگر پھر۔۔۔۔۔۔۔۔ وقار علی جان ان پر قہر بن کر ٹوٹ پڑا۔۔۔

کیا وہ پوری دنیا کو ورلڈ وار تھری سے بچا سکا یا۔۔؟۔۔۔۔۔۔۔۔یا۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔

9/11اور موجودہ حالات سے متاثر ہو کر لکھی گئی ایک ایسی کہانی جو ہمیشہ کی طرح آپ کو اپنے سحر میں جکڑ لے گی۔ برمودا ٹرائی اینگل کا ایسا راز جو پہلی بار دنیا میں وقار علی جان نے کھول کر رکھ دیا۔ وہ لمحہ جب وہ خود سچ کی تلاش کی خاطر برمودا ٹرائی اینگل میں اتر گیا اور پھر اس کے سامنے حیران کن انکشافات ہوتے چلے گئے۔ **اردو فینز** پر ایک اور تہلکہ خیز ناول جو اس سے قبل آپ نے نہیں پڑھا ہوگا۔

صرف اور صرف اردو فینز پر قسط وار پوسٹ ہو رہا ہے۔۔۔۔۔۔۔!

☆☆☆☆☆☆☆☆

علی عمران ہینگ ٹل ڈیتھ

(مکمل ناول)

مصنف: محمد جبران

☆☆عمران سیریز میں ایک تہلکہ خیز ناول☆☆

﴿جو اس سے قبل آپکی نظر سے کبھی نہیں گزرا ہوگا﴾

وہ لمحہ: جب علی عمران نے ڈاکٹر داور کو تیز دھار خنجر کے ساتھ انتہائی بے دردی سے قتل کر دیا۔ اس کے بعد علی عمران کو موقعہ واردات پر سینٹرل انٹیلی جنس کے سوپر فیاض سر عبدالراحمان کی سربراہی میں بمعہ آلہ قتل رنگے ہاتھوں گرفتار کر لیا۔

﴿انتہائی ناقابل یقین سچویشن﴾

وہ لمحہ: جب علی عمران میں بھری عدالت میں پاکیشیا سیکرٹ سروس، اماں بی اور ثریا کے سامنے اپنا بھیانک جرم قبول کر لیا اور پھر پاکیشیا کی سب سے بڑی عدالت فیڈل کورٹ آف جسٹس نے علی عمران کو **ہینگ ٹل ڈیتھ** کا آرڈر کر دیا۔

سربلیک کوبرا: ایک ایسا نیا اور اچھوتا کردار جس نے زندگی میں پہلی بار علی عمران کو چاروں

شانے چت کر دیا اور دنیا بھر کے لئے ناقبل تسخیر سمجھا جانے علی عمران پہلی بار تسخیر کر ہو گیا۔ کیوں اور کیسے؟

وہ لمحہ: جب علی عمران کو تختہ دار پر لٹکا دیا گیا اور سرکاری ڈاکٹرز نے عمران کی موت کی تصدیق کر دی۔ ایک ایسی کہانی جو مدتوں آپکو یاد رہے گی۔

☆☆☆☆☆☆☆☆



مصنف کی دیگر تحاریر

- ☆قاتل مصور
- ☆علی عمران ہینگ ٹل ڈیتھ (عمران سریز)
- ☆موت کا سفر
- ☆شیطان کے دربار میں
- ☆عمران سریز کی یاد میں
- ☆شمشیرو سناں اول طاوس و رباب آخر
- ☆لاڈلی جمھوریت
- ☆میرے خواب اور پاکستان

